ماہانہ تحقیقی مجلہ
الاسلام ریئل
جلد نمبر ۱، شمارہ ۴، نومبر ۲۰۲۰ء

ماہانہ آنلائن

الاسلام ریئل

تحقیقی مجلہ

جلد نمبر 1: شمارہ نمبر 4: نومبر 2020ء

ایڈیٹر:

مفتی سعد کامران (فاضل علوم اسلامیہ، ایم فل اسلامک سٹڈیز)

معاون ایڈیٹر:

حسن معاویہ امین چنیوٹی (بی ایس سی ماس کمیونیکیٹ)

معاون خصوصی:

محترم فرمان شیخ (ایم اے، ایم ایڈ، ایم فل، فاضل تقابل ادیان)

مضامین ارسال کرنے اور مجلہ کے حصول کے لیے رابطہ فرمائیں۔

Magazine@AlislamReal.Org

03004907617-03450580470

شائع کردہ:

AlislamReal.org

فہرست

مطالعہ تقابل ادیان

ردمغربیت

سلسلہ محدثین

.14

متفرقات

.16

English Portion

اہل علم کی طبیعت میں ٹھہراؤ، مزاج میں اعتدال اور ظرف وسیع ترین ہوا کرتا ہے۔۔یوں ایک علم والا اپنے کردار اور افکار سے معاشرے میں نئی روح پھونک دیتا ہے۔۔ ایک ایسی روح کہ بے جان معاشرے میں ایک نئی لگن و جستجو پیدا ہو جاتی ہے۔۔ ایسی روح کہ اسے کوئی ورغلا نہیں سکتا۔۔ علم والے تکبر سے ہر دم پاک ہوتے ہیں اور اپنا علم کسی نہ کسی صورت دوسروں میں منتقل کرنے کی سعی میں لگے رہتے ہیں۔

اہل علم تکبر، حسد اور ایسی ہی دیگر تمام بیماریوں سے کوسوں دور رہتے ہیں۔۔ ان کا کام لوگوں کو جوڑنا ہوتا ہے اپنے علم اور عمل کے استعمال سے تکبر اور حسد کینسر کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جو انسان کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر کے رکھ دیتے ہیں۔۔ پھر انسان دوسروں کے تو کیا، اپنے لیے بھی کسی کام کا نہیں رہتا۔

ہمارے ایک عزیز اکثر کہا کرتے ہیں:

"اگر تمہیں ایک لفظ پر بھی عبور حاصل ہے تو کوشش کرو کہ وہ ایک لفظ دوسروں کو لازمی سکھاؤ، کیونکہ سکھانے سے علم کم نہیں بلکہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کبھی بھی خود کے پاس علم ہونے پر اترائیں مت کہ تکبر آپ کا سب کچھ چھین لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے ور پھر ہاتھ ملنے کے سوا کوئی چارہ نہیں بچتا۔"

میں اور آپ اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکتے ہوئے خود سے سوال کریں کہ کیا ہم اہل علم کہلانے لائق ہیں؟ کیا ہم کسی بھی لحاظ سے اہل علم لگتے ہیں؟ ہمارے افکار و نظریات سے صاحب علم ہونے کا ذرہ برابر بھی احساس ہوتا ہے؟؟ کیا ہم انا علم صحیح معنوں اور نیک دلی کے ساتھ دوسروں میں منتقل کرنے کا شوق رکھتے ہیں؟ ہمارا خود کے سوال پر جواب ہوگا کہ ہرگز نہیں۔

سو! یہ قسمت کہ آج ہم علم تو رکھتے ہیں مگر ہم میں یہ خوبیاں موجود نہیں ہیں۔۔ یہ خوبیاں دور کہیں کھڑی ہمیں کوس رہی ہیں۔۔ ستم در ستم کہ ہمیں سکھایا بھی ایسے ہی صاحبان علم نے ہے کہ جن کے قول و فعل میں بے حد تضاد پایا جاتا ہے۔۔

دعا ہے رب کریم سے کہ ہم اہل علم کہلانے کے ساتھ اہل علم و عمل بن بھی جائیں۔۔ ہم افکار کے غازی تو بنتے پھرتے ہیں، رب کریم ہمیں کردار کا شہید بھی بنائے۔۔ تاکہ ہم صحیح معنوں میں علم والے کہلا سکیں۔۔ زندگی تو جانور بھی گزارتے ہیں، ہماری بھی کسی نہ کسی طرح گزر ہی جائے گی مگر شاید اس زندگی کا کوئی فائدہ نہ ہو گا کہ جو بے عمل گزرے گی۔۔

معاون ایڈیٹر

معاویہ امین چنیوٹی
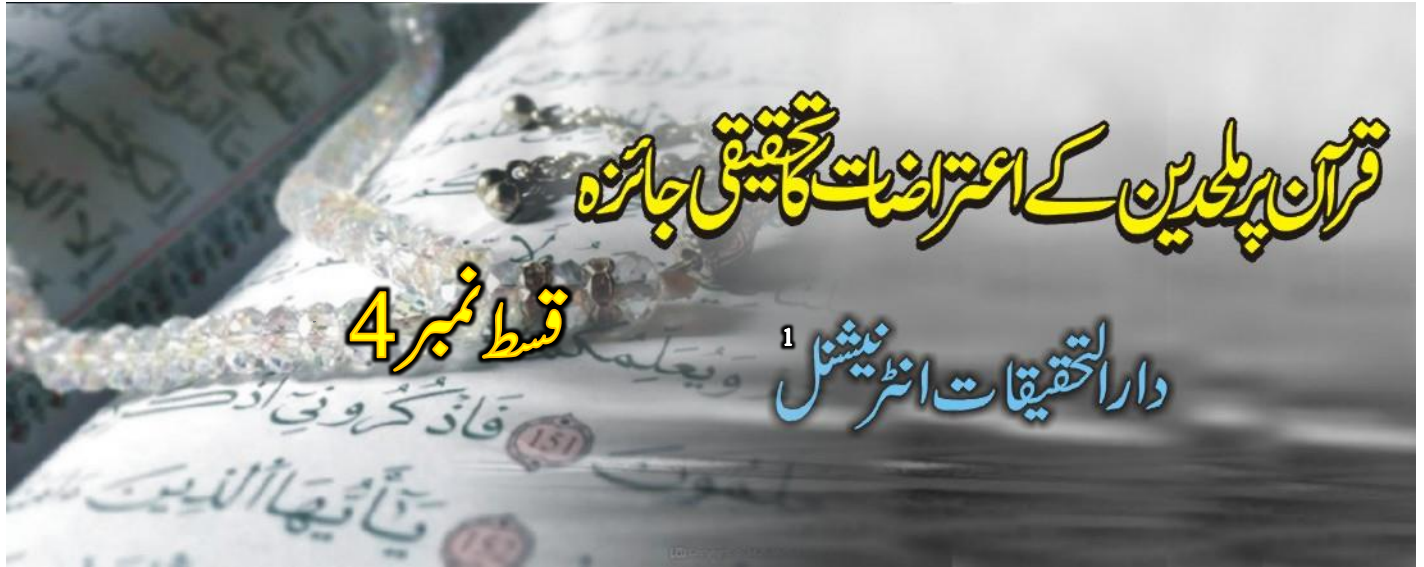
اعتراض:

سورۃ النساء کی دو آیات میں معترض نے تعارض اور تضاد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰه

اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے، کہہ دو کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔

مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ‌ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ سَيِّئَةٍ فَمِنۡ نَّـفۡسِكَ‌ وَاَرۡسَلۡنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا‌ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا ۔[2]

ترجمہ:

اے مخاطب) تم کو جو اچھائی پہنچتی ہے سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تم کو جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہاری ذات کی وجہ سے ہے' اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ (بطور) گواہ کافی ہے۔

ان آیات کو پیش کر کے معترض نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان میں تضاد پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سوائے کم علمی اور قران کی فصاحت وبلاغت سے بے بہرہ ہونے کے کچھ نہیں۔ اس کے علاوہ سیاق وسباق سے آیات کو نہ دیکھنا بھی ایک سبب ہے۔

قران مجید کی فصاحت وبلاغت سے نابلد لوگ اسے تضاد اور تعارض سمجھ بیٹھتے ہیں۔ آئیں دیکھے وہ کیسے۔۔۔

---

[1] حافظ ابن جنید: متعلم درس نظامی
علامہ شعیب کراچی: فاضل علوم اسلامیہ
محمد شعیب احمد: علوم اسلامیہ سکالر
محمد شاہجہان اقبال: ایم فل علوم اسلامیہ

[2] سورۃ النسا 4:78-79

قرآن حکیم میں "اَلْحَسَنَة" اور "اَلسَّيِّئَة" کا مفہوم:

مفسرین کی اکثریت یہی کہتی ہے کہ یہاں "اَلْحَسَنَة" اور "اَلسَّيِّئَة" سے مراد نعمت اور مصیبت ہے، وہ اچھے یا بُرے اعمال نہیں جنہیں انسان اپنے اختیار سے انجام دیتا ہے۔ قرآن مجید میں حسنات (بھلائیاں) اور سیئات (برائیاں) کے الفاظ دونوں قسم کے معنوں کے لئے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا:

إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا [1]

"اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو انہیں بُری لگتی ہے، اور اگر تمہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کے مکر تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِن تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِن تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِن قَبْلُ وَيَتَوَلَّوا وَّهُمْ فَرِحُونَ [2]

"اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے تو وہ انہیں بُری لگتی ہے، اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں ہم نے تو پہلے ہی اپنا بندوبست کر لیا تھا، اور وہ خوش ہو کر لوٹ جاتے ہیں۔"

اب جیسا کہ قران مجید کی مذکورہ بالا آیات سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہاں جو آیت معترض نے پہلے پیش کی وہاں سیئۃ اور حسنۃ کا معنی وہ نہیں جو معترض نے اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا ہے بلکہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ مگر ہم نے بھی معترض کی طرح صرف دعوی ہی تو نہیں کر دیا اس کی کوئی دلیل بھی ہے تو آئیں اس کو بھی قران کے اپنے سیاق وسباق سے سمجھ لیتے ہیں۔ اسی آیت کا پچھلا ٹکڑا ملاحظہ فرمائیں۔

أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا [3]

تم جہاں کہیں ہو گے موت تمہیں آ ہی پکڑے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہی ہو، اور اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے، کہہ دو کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

---

1 سورہ آل عمران:120

2 سورۂ توبہ:50

3 سورۃ النسا78

اب اس آیت اور اس قبل کی آیت 71 سے 79 تک مطالعہ کیجیے سب عیاں ہو جائے گا یہاں صرف اپنے مقدمے کی دلیل کے لیے آیت نمبر 73,72 کو درج کروں گا۔

وَاِنَّ مِنۡكُمۡ لَمَنۡ لَّيُبَطِّئَنَّ‌ ۚ فَاِنۡ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالَ قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَىَّ اِذۡ لَمۡ اَكُنۡ مَّعَهُمۡ شَهِيۡدًا ۔ وَلَٮِٕنۡ اَصَابَكُمۡ فَضۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَـقُوۡلَنَّ كَاَنۡ لَّمۡ تَكُنۡۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ مَعَهُمۡ فَاَفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا[1]

''اور بے شک تم میں ایسا شخص بھی ہے جو (لڑائی سے) جی چراتا ہے، پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آجائے تو کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نہ تھا اور اگر اللہ کی طرف سے تم پر فضل ہو تو اس طرح کہنے لگتا ہے کہ گویا تمہارے اور اس کے درمیان دوستی کا کوئی تعلق ہی نہیں کہ کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا۔''

اب ان آیات سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ یہاں سیاق وسباق کے اعتبار سے منافقین مصائب اور نعمتوں کو بیان کر رہے ہیں وگرنہ وہ یہ جملہ کیوں بیان کرتے دیکھیے ذرا آیت نمبر 78 میں ''وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ'' اور جب انہیں مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں عندک "تیری طرف سے" اس اعتبار سے تو منافقین یہ تو پھر اعمال کے متعلق نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ واسلم کی طرف کر رہیں۔ جیسا کہ معترض اس کا معنی اعمال یا برائی لے رہا ہے حالانکہ منافقین اس سے مراد یہ نہیں لے رہے بلکہ وہ تو جہاد سے جی کترا رہیں ہیں وہ آپ صلی اللہ والہ واسلم کے لائے ہوئے دین کے متعلق برے شگون اور ان مصائب کا ذکر کر رہیں جن کو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر شاید ان تعلیمات کی وجہ سے آ پہنچا ہے حالانکہ وہ منافقت سے کام لے رہیں ہیں۔ اللہ تعالی نے ان نعمتوں اور اس رستے میں آنے والی مصبتوں کے متعلق فرمایا کہ "کل عنداللہ" یہ سب راحتیں اور مصبتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ اور تمہاری خیر کے لیے ہیں وگرنہ یہ آزمائشیں نہ ہوتی تو کھرا اور کھوٹا، مومن اور منافق الگ الگ کیسے ہوتے اور ان کو تم سے الگ ہونا تمہارے لیے خیر ہے جو وقتی طور ممکن ہے کسی کو بھلا معلوم نہ ہو۔ اب یہاں یہ بات بھی سمجھنے والی ہے کہ یہاں مصائب فی نفسہ یا مطلق شر نہیں ہے۔ بلکہ اس کو چند ناعاقبت اندیشوں نے مطلقاً شر کے معنی میں یا بدی کے معنی میں استعمال کر کے تعارض پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں تو یہ بشکل مصائب ہیں جن کے سیئۃ کا لفظ استعمال کیا۔ اللہ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا کہ رزق کی فراوانی ہو یا ثمرات کی بہتات، بارشوں کا نزول ہو یا قحط کا وبال، جان کا تحفہ ہو یا موت کا ذائقہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ کیونکہ یہ سارے تکوینی معاملات ہیں ان میں انسان کا عمل دخل نہیں ہے، اس لیے یہ "عنداللہ ہیں"

اب آجائیں اس آیت کی طرف جہاں سیئۃ اور حسنۃ میں سے حسنۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہے اور سیئۃ کی نسبت انسانی نفس کی طرف ہے۔ جس کو معترض نے کہاں کہ پہلے تو اللہ سیئۃ اور حسنۃ کو اپنی طرف منسوب کر رہا ہے

---

[1] سورۃ النسا 72,73

اور اگلے ہی حصے میں حسنۃ کی نسبت اپنی طرف اور سیئۃ کی نسبت نفس کی طرف، یہاں ان دونوں کا کیا معنی لیا گیا ہے آئیں اسے بھی قرانِ عظیم سے دیکھتے ہیں۔

وہ عمال جن کا حکم دیا گیا ہے یا جن سے منع کیا گیا ہے ان کا ذکر بہت سی آیات میں "اَلْحَسَنَة" اور "اَلسَّيِّئَة" کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ مثلاً:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾[1]

"جو "اَلْحَسَنَة" (بھلائی) لے کر آیا تو اس کے لئے اس سے بہتر بدلہ ہے اور جو "اَلسَّيِّئَة" (بُرائی) لے کر آیا تو بُرائیاں کرنے والوں کو اس کا بدلہ ملے گا جو وہ کرتے تھے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ﴾[2]

"بے شک الحسنات (نیکیاں) السیئات (برائیوں) کو ختم کر دیتی ہے۔ سبق حاصل کرنے والوں کے لئے اس میں بہت بڑا سبق ہے۔"

اور فرمایا:

﴿فَاُولٰۗىِٕكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَـيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾[3]

"پس اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا، اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے غفور اور رحیم ہے۔

ان آیات میں "اَلْحَسَنَة" (بھلائی) سے مراد نیک عمل اور "اَلسَّيِّئَة" (بُرائی) سے مراد بُرے عمل ہیں یا ان سے پیدا ہونے والے نتائج ہیں"

ان قرانی آیات سے ثابت ہو گیا کہ یہاں سیئۃ کے معنی برے کام اور حسنۃ کے معنی اچھے کام ہیں۔

برے کام کی نسبت کو نفس کی طرف نسبت دی گئی ہے جو ارادہ واختیار کا مرہونِ منت ہے کیونکہ انسان کا ارادہ واختیار بھی بنفسہ ارادہ واختیار اللہ کا فضل ہے جیسے زندگی پہ انسان کا کوئی حق نہیں تھا اللہ نے اپنے فضلِ محض سے اسے زندگی عطا کی ویسے ہی اللہ نے انسان کو اختیار کا بھی حق عنایت فرمایا۔ اب اعمال کے معاملے میں یہ سراسر اخلاقی مسئلہ بن جاتا ہے۔ میں چاہو گا اسے پوری شرح وبست سے سمجھ لیا جاے تاکہ کوئی ابہام نہ رہے۔

اخلاقی مسئلہ۔ اس لیے کہا:

"اختیار کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ہر اثر سے متاثر ہو کر اقدام کر سکے"

---

[1] سورۂ قصص، 84

[2] سورۂ ہود، 114

[3] سورۂ فرقان، 70

اب اختیاری فعل اخلاقی محل میں صادر ہوتا ہے۔ وہ کیسے آئیں اسے بھی دیکھ لیں۔ اخلاقی محل سے کیا مراد ہے پہلے اسے دیکھیں۔
اخلاقی محل یہ ہے کہ انسان میں خواہش اور فرض کے درمیان کشمکش واقع ہو۔ خواہشات کا تعلق جبلت سے ہے جن کو فی نفسہ پورا کرنا کوئی شر نہیں یعنی یہ دیکھا جائے گا کہ خواہش کے پورے کرنے میں آزادی استعمال کی گئی ہے اور فرض کو تج کر دیا گیا ہے تو اب اس میں شر اور برائی کا عنصر پیدا ہو جائے گا۔ آگے بڑھنے پہلے میں اختیاری ارادی فعل کے عناصر آپ کے سامنے رکھنا چاہو گا:۔

1- خواہش اور فرض میں کشمکش

2- غور وخوض

3- عزم

4- انتخاب و نیت

5- نتیجہ

اب جبکہ ارادہ اختیار میں ایک طرف فرض ہے اور دوسری طرف خواہشات کی تکمیل بنا کسی ضابطے کے تو اب یہ تمام عناصر پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں یا تو فرض اس عمل کی پشت پہ کھڑا ہو گا یا خواہش دونوں میں غور وخوض بھی ہو گا۔ وہ فرائض کی بجا آوری یا خواہش کی تکمیل دونوں کے غور کرے گا۔

عزم:- جب غور حوض کے مرحلے گزرے گا تو تو دونوں میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہو گا اور بڑھ کر انتخاب کر کے اس کی تائید کا عزم کرنا ضروری ٹھہرے گا چونکہ اس کے بغیر فعل صادر ہونا ممکن نہیں۔

نیت کا انتخاب:- اگر نیت خواہش کی تکمیل کے ارادے سے مکمل ہو گا یعنی اخلاقی حقوق کی خلاف ورزی تو فعل پر بدی کا اطلاق ہو گا اور اگر فرض کی بجا آوری کے لیے تو عنوان نیکی ہو گا۔ کیونکہ کا سب یعنی عمل کرنے والے کو انتخاب کے معاملے میں اختیار و ارادے کی آزادی دی گئی ہے۔

تکمیل:- عزم کے بعد فعل کی تکمیل یا تو حکم کی بجا آوری یا پامالی۔

نتیجہ:- اب ان اعمال کا نتیجہ بذات خود ایک عمل ہے جو اللہ کے ہاں سے نیکی کے نتیجہ میں مزید نیکی یا نعمت کی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور برائی کی صورت میں مزید برائی یا سزاء کی صورت میں پیدا ہوتا ہے کیونکہ انسان اسے اپنے اختیار اور ارادے سے خود منتخب کرتا ہے اس لیے یہ شر مطلق یا خیرِ مطلق بن جاتا ہے اس لیے شر مطلق کی نسبت نفس کی طرف کی گئی ہے۔ اور خیرِ مطلق کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف کیونکہ اللہ ہر شے کا خالق ہے تو وہ انسان کے ارادے اور اختیار کے انتخاب کے بعد اس کے عمل کو بھی تخلیق فرما دیتا ہے اور اس کے نتیجے کو بھی اور یہی اللہ کا قانون ہے جو قرآنِ مجید میں جا بجا ارشاد ہوا ہے اس کی ایک سادہ مثال حفظانِ صحت کے اصولوں سے لگا سکتے ہیں کہ جو ان کو اختیار کرے گا

صحت مند رہے گا اور جو ان سے روگردانی اختیار کرے گا وہ بیمار ہو جائے گا۔ حالانکہ بیماری اور صحت کو پیدا تو اللہ ہی فرماتا ہے مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی صحت کے اصولوں کو تج کرے اور وہ نتیجہ نہ دیکھے۔

خیر یہاں یہ ثابت ہو گیا کہ مذکورہ بالا آیات میں کہیں بھی تضاد اور تعارض نہیں ہے۔ بلکہ میں نے معترض کے پہلے اعتراض میں دو قضیوں یا دو باتوں یا دو جملوں کے درمیان تضاد، تعارض، تناقض کی آٹھ شرائط بیان کی تھی کہ ان آٹھ شرسئط کا تضاد کے لیے ہونا شرط ہے طوالت کے ڈر سے میں ان میں سے صرف ایک یہاں بیان کیے دیتا ہو وہ ہے:

دو قضیوں کے درمیان جنس کا ایک ہونا لازم ہے مگر ان آیات میں پہلی آیت میں حسنۃ اور سیئۃ کے معنی اور اور دوسری آیت میں اس کے معنی اور اب تضاد کی شرط قائم نہ رہی تو تضاد کہاں رہا فصیل قارئین پہ ہے۔ التوفیق الا باللہ

مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم:

مستشرقین نے صرف طباعت پر ہی اکتفاء نہیں کی بلکہ اس سے آگے انہوں نے قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں ترجمے بھی کیے۔ ترجمہ سے ان کی اغراض کیا تھی اس بارے میں فرماتے ہیں

سب سے پہلے مستشرقین نے عربی زبان سیکھی اور یہ سب سے اہم بات تھی جو ان کے درمیان حائل تھی کہ ان کو عربی نہیں آتی تھی۔ لہذا انہوں نے اس کے لئے اپنا وقت مختص کیا اور محنت شروع کی اس محنت میں ان کا سب سے اہم ہدف قرآن کریم تھا۔ قرآن کریم کا ترجمہ کرنے میں نہ تو ان کا مقصد قرآن کو سمجھنے کا تھا اور نہ ہی اس سے استفادہ تھا بلکہ صرف مناظرہ کرنا اور احتجاج کرنا، اس بات کو ڈاکٹر محمد الہی نے اس طرح بیان کیا ہے " استشراق کا منہج اور ان کی افکار کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ اسلامی قوائد کی اصل کو ختم کر کے اس کا انکار کر دیں جو ماضی میں اس امت کی ثقافت اور روحانیت تھی اس پر تنقیدات اور اس کا استخفاف کیا جائے[2]۔

ا: لاطینی زبان میں ترجمہ:

أول واقدم ترجمة كاملة للقرآن هي تلك التي دعا اليها ورعاها بطرس المحترم (Pierre le Venerable) رئيس دير كلوني (راجع تحت اسمه)، وتولاها بطرس الطليطلي وهرم الدلماشي وروبرت كينت، بمعونة عربي مسلم يدعى "محمد" (ولا يعرف له لقب ولا كنية ولا اى اسم آخر)، وراجع الترجمة اللاتينية پيير دى پواتييه Pierre de Poitiers۔ وتمت هذه الترجمة فى ۱۱۴۳۔ وطبعت فى بازل (سويسرة) ۱۵۴۳ بالعنوان التالى:

---

[1] اویس انور: ریسرچ اسکالر شعبہ اصول الدین، جامعہ کراچی

ڈاکٹر محمد اسحاق: اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اصول الدین، جامعہ کراچی

[2] بنداق، محمد صالح، ڈاکٹر، المستشرقون وترجمة القرآن الكريم،، منشورات دارالافاق الجديده بيروت، الطبعة ثانية ۱۴۰۳ھ۔ ۱۹۸۳م، ص 89

ترجمہ: لاطینی زبان کا سب سے پہلا اور قدیم ترجمہ وہ جس کی طرف پطرس محترم نے بلایا۔ اس ترجمہ کی ذمہ داری پطرس الطلیطلی اور ہرمن الدلامشی اور روبرٹ کینٹ نے ایک عربی مسلمان کی معاونت کے ساتھ لی تھی جس کا نام محمد تھا۔ لاطینی ترجمہ کی پروف ریڈنگ پیی ڈی پواتیہ Pierre de Poitiers نے کی اور یہ ترجمہ 1143ء میں مکمل ہوا اور 1543ء میں بازل شہر میں طبع ہوا[1]۔

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے عبدالرحمن بدوی لکھتے ہیں کہ اس پر یہ عنوان بھی درج تھا:

Machumeties,Saracenorum Principis,ejusque successorum vitae,ac doctrina ,ipseque acloran...quae annos CCCC,vir..clarissimus,D.petrus Abbas Cluniaacensis...ex Arabica lingua in Latinam trnasferri curavit-Haee omnia in umun volumen redecta sunt,opera et studio Theodori Bibliandri,Ecclesiae Tigurinae ministri,qui collatis etiam exemplaribus latini et Arabi.Alcorani teztum emendavit.Basilea,1543,infol.

اس ترجمہ کی دوسری طباعت 1550ء میں بازل شہر میں ہوئی۔ اس کی ذمہ داری تھیوڈر بلانڈر (Theodor Bibliander) نے لی تھی اور یہ لاھوتی تھا زیورخ (سویسرہ) کا باشندہ تھا۔ پہلی جلد میں ترجمہ صفحہ (8 سے 188 تک) ہے۔ پبلشر نے بلانڈر سے مدد حاصل کی تھی اس ترجمہ کے دو مخطوطات کے ساتھ لیکن اس نے ان دونوں کی جگہ کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ اور اسی وجہ سے اس کی مدت کا جاننا مشکل ہے پھر انہوں نے گمان کیا کہ عنوان کے صفحہ میں انہوں نے لاطینی ترجمہ کو اصل عربی قرآن کو سامنے رکھ کر پروف ریڈنگ کی اور حواشی کا اضافہ کیا۔ لیکن ایسی کوئی دلیل نہیں جو اس پروف ریڈنگ کا ذکر کرے۔ جیسے ان کے عربی زبان جاننے کے بارے میں شک کیا جاتا ہے اس طور پر کہ ہمیں کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جو یہ بتائے کہ وہ عربی زبان سے واقفیت رکھتے تھے۔ مگر ھامش کے چند حاشیوں میں اس کا ذکر ملتا ہے (مثلاً ص 187،185،188) اور اس لاطینی ترجمہ کے ساتھ سورۃ فاتحہ کا ایک لاطینی زبان میں ترجمہ شائع کیا گیا جو موجودہ لاطینی ترجمہ سے زیادہ اچھا تھا لیکن اس کے مترجم کا کہیں ذکر نہیں۔ ولیم پوسٹل Postal نے اس ترجمہ سے متعلق ایک تقریب منعقد کی تھی اور طباعت کے دوران دو لاتینی مخطوطوں کے بارے میں اطلاع دی تھی[2]۔ اس کے علاوہ لاطینی زبان کا ایک اور ترجمہ 1698ء میں ماروس نے کیا[3]۔

۲: اٹالین زبان میں ترجمہ:

The oldest complete translation into a European vernacular, namely theItalian, is in the Qur'an edition issued by the Venetian publisher Andrea Arrivabene in 1547.Although the title asserts that the Qur'an was newly translated from the Arabic,

[1] حسین، محمد بھاء الدین، ڈاکٹر، المستشرقون والقرآن الکریم، دار النفائس لنشر والتوزیع، ص 286

[2] بدوی، موسوعۃ المستشرقین، ص 441

[3] صارم، قاضی عبدالصمد، عرض الانوار المعروف تاریخ القرآن، میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی، ص 121

thetranslation actually based exclusively on the 1543 Latin Qur'an by Theodor Biblinder,as noted by the two great Leiden philologists, Justus joseph Scaliger and Thomas Erpenius(1584.1624).[1]

ترجمہ: قرآن کریم کا سب سے قدیم مکمل ترجمہ یورپ کی رائج الوقت زبان یعنی اٹالین زبان میں وینس پبلشر اینڈری اریوابینی نے 1547ء میں کیا۔ اور اس کے عنوان سے پتا چلتا ہے کہ یہ ترجمہ عربی زبان سے کیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ترجمہ تھیوڈر بلانڈر کے لاطینی ترجمہ کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے۔ اور اس بات کی تصدیق دو عظیم ماہر لغات جسٹس جوزف اسکیلیگر اور تھامس ارپنیوس نے بھی کی کہ یہ ترجمہ عربی زبان کو سامنے رکھ کر نہیں ہوا۔

اس کے علاوہ اٹالین زبان میں مندرجہ ذیل ترجمے ہوئے:

1- ترجمہ گلزہ۔1847ء

2- ترجمہ تبریری۔1882ء یہ ترجمہ تین مرتبہ شائع ہوا

3- ترجمہ دیولانٹی۔1912ء

4- ترجمہ برانسی۔1913

5- ترجمہ فراقاسی۔ء1914ء

6- ترجمہ فرجو۔1928ء

7- ترجمہ بونکی۔1929ء۔

جرمنی زبان میں ترجمہ:

جرمن زبان کا سب سے پہلا ترجمہ: وعن هذه الترجمة الايطالية تمت الترجمة الالمانية التى قام به اسالومون اشوجر(Salomon Schwinger)فی١٦١٦ تحت عنوان:

ترجمہ :1616ء میں سالمون شویگر (Salomon Schwinger) نے اٹالین زبان سے جرمن زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا اس پر یہ عنوان درج تھا:

---

[1]Encyclopedia of Quran, Jane Dammen KcAuliffe,General editor, Brill leiden .Boston 2004.Vol 5:P 346

Alcoranus Mohometicus,das its Der Turken Alcoran ...erstlich aus der arabischen in die Italienische,jetzt aber in die Teutsche Sprache gebracht durch Herrn Salomon Schweigger,Nurnberg,1616.

اس ترجمہ کی دوسری طباعت 1623ء میں نورنبرج میں ہوئی[1]۔ جرمن زبان میں اور بھی تراجم ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

1- ا ترجمہ ڈیوڈنارٹر۔1703ء

2- ترجمہ مگرلین۔1772ء

3- ترجمہ بولیس۔1773ء۔اس کو1828ء میں دول نے بعد تنقیح وتہذیب دوبارہ شائع کیا۔

4- ترجمہ المان۔1840ء آٹھ مرتبہ شائع ہوا

5- ترجمہ ہٹینگ۔1901ء

6- ترجمہ گری گول۔1901ء

7- ترجمہ روگرٹ۔1880ء

8- ترجمہ گرم۔1923ء

9- ترجمہ گولڈاسمتھ۔1916ء۔یہ دومرتبہ شائع ہوا۔

10-ترجمہ لنگی۔1688

11- ترجمہ آرنلڈ۔1746ء

12-ترجمہ گلامروٹ۔1910ء۔[2]

۴: ڈچ زبان میں ترجمہ:

وعن هذه الترجمة الامانية تمت ترجمة القرآن الى اللغة الهولندية ١٦٤١،وقد ظهرت بالعنوان التالى

ترجمہ :1641ء میں جرمن زبان سے ڈچ زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا گیا۔اور یہ اس عنوان کے ساتھ ظاہر ہوا:

---

[1] بدوی، موسوعۃ المستشرقین، ص443

[2] عرض الانوار ص121

De Arabische Alkoran--Uty de Arabische Sparaeke ,nu Hooghduytsch gertanslateert-door Salamon Swigger-Ende Wederom uyt Hooghduytsch in Nederland.sche Spraeke ghestelet.Geruckt voor Barent Adriae n s I.Berenstma,Boek-ver Kooper to Hamburgh.1641,L.pagg.162.

اشنوررنے اس کی پروف ریڈنگ کی اور کہا کہ اس عنوان میں دو غلطیاں ہیں۔ پہلی غلطی یہ ہے کہ اس میں لکھاہے کہ یہ ترجمہ عربی سے جرمن زبان میں ہواہے اور دوسری یہ کہ یہ ہیمبرگ میں طبع ہوا ہے [1]۔

ڈچ زبان کے دیگر تراجم :

1- ترجمہ گلاسمیز۔1658ء۔ یہ ترجمہ دوبار شائع ہوا

2- :ترجمہ زولینس۔1859ء

3- ترجمہ میزع۔1860ء۔ یہ چار مرتبہ شائع ہوا۔

4- ترجمہ احمدیہ کاترجمہ ہالینڈ کی زبان میں کیاگیا[2]۔

۵ : فرانسیسی زبان میں ترجمہ :

اول ترجمة للقرآن الى الفرنسية،هى التى قام بها دی رییر **Du Ryer** ١٦٤٧ بالعنوان التالى:

ترجمہ : فرانسیسی زبان میں سب سے پہلا ترجمہ ڈی ریر (Du Ryer) نے 1647ء میں کیااور اس پر یہ عنوان درج تھا:

L'alcoran de Mahomet.Translate d'Arabe en Francais,per le Sieur De Ryer,Sieur de la Grande Malezair; a Paris chez Antonie de Sommaville. 1647, in-4.p.p.648

ڈی ریر کے اس ترجمہ میں کئی مواقع پر پوشیدگیاں ہیں، اور نہ اس میں کوتعلیقات کا اضافہ کیااور نہ ہی ان پوشیدگیوں کو ختم کرنے کے لئے کوئی تشریح کی۔1649ء میں ہالینڈ میں اس کی دوبارہ طباعت ہوئی اور اس طباعت میں انکو کافی کامیابی حاصل ہوئی اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ترجمہ کو سامنے رکھ کر متعدد ترجمے کیے گئے جو مندرجہ ذیل ہیں:

الف: انگریزی زبان میں ترجمہ :

The Alcoran of Mohamet,translated out of Arabic into French...and newly Endilshed for the satisfaction of all that desire to look into the Turkish vanities. London, 1688, in8.

---

[1] بدوی، موسوعة المستشرقین، ص443

[2] عرض الانوار ص122

ب: ہالینڈی زبان میں ترجمہ:

Mahomets Alcoran door du Ryer uuit d'Arabische in de Fransche en door J.H Glaze maker in de Nederlantsche Taal vertaalt.Rotterdam,1698.in-8

ج: ترجمہ جرمن زبان میں:

ہالینڈی زبان سے جرمن زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اس پر یہ عنوان درج تھا۔

Vollsandiges Turkisches Gesetz buch...Aus der Arabischen in die Franzosische Sprache ubergestzt durch Herrn Du Ryer,aus dieser aber in die Niederlandische durch H.J.Glasemacker: und jetzo zum allererstenmahl in die Hochteusche Sprache versetzt durch Johann Lange,Medicinae Condidatum.Hamburg.in-fol.

اما ثانی ترجمة فرنسية فتمت بعد ذلك بمقدار ١٣٦ سنة، اذ ظهرت في باريس ١٧٨٣۔ وقام بها اساواری، وعنوانها هو:

ترجمہ: فرانسیسی زبان میں دوسرا ترجمہ ساواری (Savory) نے ۱۳۶ سال بعد پیرس میں کیا جو 1783ء میں کیا ظاہر ہوا۔ اور اس پر یہ عنوان درج تھا:

Le Coran,traduit de I'Arabe,accompagne de notes ,et precede d'un abrege de la vie de Mahomet,tire des ecrivains orientaux les plus estimes.Par M.Savary.T.I et II,a Paris 1783 in-8.[1]

اس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ کچھ تعلیقات کے ساتھ یہ ترجمہ قدیم وجدید تراجم کو ملا کر بنایا گیا ہے اور اس کو لوڈو مراتشی کے تعلیقات سے بھی سیراب کیا ہے۔ 1947ء میں بلاشیر نے اس کو ترتیب نزولی کے زمانے کے اعتبار سے اس کے تین اجزاء مرتب کیے۔ لیکن کچھ ہی عرصہ کے اس ترتیب سے اعراض کیا اور دس سال کے بعد دوبارہ اس کو طبع کیا احسن کی ترتیب پر۔ اور یہ ہی طباعت کافی وسیع پیمانے پر پھیلی[2]۔

مترجم اینڈری ڈی ریر (Andre Du Ryer) یہ ایک فرانسی مستشرق ہے۔ 1580ء میں مارسجنی (Marcigny) میں پیدائش ہے اور 1660ء میں وفات ہے۔ مصر میں فرانس کا سفیر تھا اور یہ عربی اور ترکی زبان پر مہارت رکھتا تھا۔ اس کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں:

تصانیفات:

1- مبادی نحو اللغۃ الترکیہ۔ لاطینی زبان میں پیرس میں 1630ء میں لکھی اور 1633ء میں یہ کتاب طبع ہوئی۔

---

[1] بدوی، موسوعۃ المستشرقین، ص 443

[2] قراۃ تقدیمہ فی (تاریخ القرآن) للمستشرق تھیودور نولدکہ: ص 94

2- شیخ سعدی کی کتاب گلستان کا ترجمہ کیا۔

3- فرانسسی زبان میں: قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔

4- ترکی اور لاطینی زبان میں ایک معجم بھی لکھی[1]۔

فرانسیسی زبان کے دیگر تراجم:

ا: ترجمہ دیرویر 1647ء میں پیرس میں چار مرتبہ شائع ہوا۔ لاہی میں چار مرتبہ شائع ہوا۔ امسٹردم میں تین مرتبہ شائع ہوا۔ پھر اس کو انگریزی میں مسٹر روس نے اور ہالینڈ کی زبان میں گلاسیا کو نے 1658ء میں منتقل کیا۔ پھر ہالینڈ کی زبان سے جرمنی میں کالانکی نے منتقل کیا۔ پھر اس ترجمہ کا ترجمہ 1617ء میں روسی زبان میں ڈیمبیریوس کاٹیز نے کیا۔1790ء میں روسی زبان میں فرنکیین نے بھی کیا۔

۲: ترجمہ سیوری 1783ء۔ آٹھ مرتبہ شائع ہوا۔ ایک مرتبہ مسٹر دم میں اس کا ترجمہ 1883ء میں اطالوی زبان میں ہوا۔ اور 1913ء میں قستلانی زبان میں ہوا۔ 1911ء میں ارمنی زبان میں ہوا۔

۳ : ترجمہ کشمیر سکی1854ء یہ بائیس مرتبہ شائع ہوا۔ اس کا ترجمہ 1844ء میں قستلانی زبان میں اور گلزہ نے اطالوی میں 1844ء۔ پھر دوبارہ اطالوی میں اس کا ترجمہ 1913ء میں ہوا۔ نیکولف نے1864ء میں اس کو روسی میں منتقل کیا۔ کونٹش نے 1911ء میں ارمنی میں منتقل کیا۔

۴ : ترجمہ ایڈورڈ مونبر 1929ء۔ اس کا ترجمہ اطالوی میں ہوا۔

۵: مزدروس۔1926ء

۶ : ترجمہ لامیس۔ 1931ء

۷ : ترجمہ فاطمہ زاہدہ۔ 1861ء[2]۔

۵ : انگریزی میں قرآن کریم کا ترجمہ :

واقدم ترجمة انجزيلية للقرآن عن العربية مباشرة هي تلك التي قام بها جورج سيل ،وظهرت في لندن ۱۷۳۴،وحظيت بانتشار واسع منذ ظهورها حتى اليوم اذ اعيد طبعها باستمرار۔ وعنوانها بالانجزيلية:

ترجمہ :1734ء میں جارج سیل نے لندن میں قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ خالص عربی زبان سے منتقل کیا گیا اور بہت عام ہوا اور آج تک اس کی کئی طباعت ہو چکی ہیں۔ اس پر انگریزی زبان میں یہ عنوان درج تھا:

---

[1] بدوی، موسوعۃ المستشرقین، ص327

[2] عرض الانوار ص121

The Koran, Commonly called the Alcoran of Mohammed: Translated into English immediately from the original Arabic with explanatorynotes, taken from the most approved commentators to which is prefixed a preliminary discourse: by George Sale Gent.London, 1734 in-4, p.187-508

اس کی دوسری طباعت لندن میں 1764ء میں دو جلدوں میں ہوئی۔اور اسی ترجمہ کو سامنے رکھ کر تیوڈور آرنلڈ نے اس کو جرمن زبان میں منتقل کیا۔اس پر یہ عنوان درج تھا۔

Der Koran.unmittelber aus dem Arabischen Original in das Ebglische ubersetzt ...von George Sale ,Gent.Aufs treulichste wiedes ins Teutsche verdollmetschet von Theodor Arnold.Lemgo 1746.in-4,p.p XXVIII.232,693 [1]

جارج سیل 1697ء میں پیدائش اور 1736ء میں وفات ہے۔فراغت کے اوقات میں عربی کا درس دیتا تھا اس نے کسی عربی مخطوط کا وافر مجموعہ حاصل کر لیا اور اس کو مکتبہ بودلیہ کو ودیعت رکھوا دیا۔اسلام کے بارے میں بہت زیادہ اس پر اثر تھا جس وجہ سے اس کو آدھا مسلمان کہا جاتا تھا۔زمانہ جدید میں عربی نسخوں پر تحقیق میں اس نے کافی مدد کی۔قرآن کریم کا ترجمہ انگریزی زبان میں 470 صفحات پر کیا۔نے القاموس الفلسفی میں لکھا ہے کہ یہ ترجمہ کرنے میں کامیاب ہوا اور اس کا ترجمہ کئی بار طبع ہوا۔مگر اس کا ترجمہ ،شرح،حواشی اور مقدمہ پر مشتمل تھا ۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے دین اسلام میں لغو باتیں ،جھوٹ اور جرحات کو قلمبند کیا۔ابن ہاشم عربی نے اس کو عربی زبان میں (قاہرہ 1913) میں نقل کیا اور شارل بیل نے دائرۃ المعارف جو یورپ میں سب سے پہلا دائرۃ المعارف شمار ہوتا ہے اس کے جمع کرنے میں اس سے مدد لی۔اور اس میں اس کے تمام عربی مقالات کو بھی لکھا[2]۔

انگریزی زبان کے دیگر تراجم:

۱ :ترجمہ سکندر روس 1649ء میں شائع ہوا۔پھر ایک مرتبہ لندن اور ایک بار امریکہ سے شائع ہوا۔

۲ :ترجمہ جارج سیل معہ مقدمہ 1743ء۔چھتیس مرتبہ شائع ہوا۔آخری ایڈیشن 1913ء میں شائع ہوا۔اس پر سرولن کا مقدمہ بھی ہے۔یہ ترجمہ امریکہ میں آٹھ مرتبہ شائع ہوا۔

۳ :ترجمہ روڈول۔1861ء۔آٹھ مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔امریکہ میں بھی شائع ہوا ہے۔

۴ :ترجمہ ای۔ایچ پار۔1880ء تین مرتبہ شائع ہوا۔ایک مرتبہ امریکہ میں شائع ہوا۔

۵:ترجمہ عبدالحکیم خان۔1905ء

---

[1] بدوی، موسوعۃ المستشرقین، ص444

[2] العقیقی، نجیب، المستشرقون، ج۲، ص۴۷۱،، موسوعۃ المستشرقین، ص۳۵۸، قراۃ تقدیمیہ فی (تاریخ القرآن) للمستشرق تھیودور نولدکہ:ص94

۶ :ترجمہ مرزا ابوالفضل۔1913ء

۷ :ترجمہ محمد علی۔1916ء۔ تین مرتبہ شائع ہوا۔اور ہالینڈ کی زبان میں بھی منتقل ہوا۔

۸ :ترجمہ غلام سرور۔1930ء میں آکسفورڈ سے شائع ہوا۔

۹ :ترجمہ پکھتال۔1930ء یہ ترجمہ حضور نظام خلد اللہ ملکہ کے حکم سے کیا گیا۔1931ء میں نیویارک (امریکہ) سے شائع ہوا۔

۱۰ :ترجمہ ڈاکٹر بل

۱۱ :ترجمہ لین۔منتخب ترجمہ۔

۱۲ :ترجمہ مارکولیس۔سولہ سیپارے کا ہے۔

۱۳ :ترجمہ نواب عماد الملک

۱۴ :ترجمہ مدرسہ الوعظین لکھنو

۱۵ :ترجمہ عبداللہ یوسف علی۔1935ء

۱۶ :ترجمہ مولوی عبدالماجد دریا آبادی۔ابھی مکمل شائع نہیں ہوا[1]۔

۶ : جرمن زبان میں قرآن کریم کا دوسرا ترجمہ :

واقدم ترجمة ألمانية عن النص العربي .مباشرة هى ترجمة ديويد فريدريش ميجرلن، الاستاذ فى جامعة فرنكفورت،وظهرت ۱۷۷۲، تحت هذا عنوان:

ترجمہ :1772ء میں ڈریوڈ فریڈش میجرلن نے قرآن کریم کا خالص عربی سے جرمن زبان میں ترجمہ کیا۔فریڈش فرنکفورٹ یونیورسٹی کے استاد تھے۔اس ترجمہ پر یہ عنوان درج تھا:

Die Turkische Bibel,oder des Korans allereste Teutsche Uebersetzung aus der Arabischen Urschrift selbst fertigt: Welcher Nothwendigkeit und Nutzbarkeit in einer besonderm Ankundigung hier erwiesen: von M.David Friedrich Megerlin professor.Franfurt am Mayn.1772,in-8,p.p.876.

اس عنوان کا ترجمہ: یہ کتاب مقدس ترکی زبان ہے یا القرآن، یہ جرمن زبان میں ترجمہ ہے خالص عربی زبان سے کیا ہے چند ضراری فوائد کے ساتھ ہے 1772ء میں اس کا ترجمہ ڈیوڈ فریڈرش میجرلن نے کیا ہے۔جو فرنکفورٹ کے استاذ ہیں۔1773ء میں اس کا ایک اور ترجمہ جرمن زبان میں ہی شائع ہوا اور یہ بھی خالص عربی زبان سے ہی کیا گیا تھا اس کا مترجم فریڈرش ابرہارڈ بویسن تھا اور اس پر یہ عنوان درج تھا۔

---

[1] عرض الانوار ص 119۔120

Der Koran,oder das Gesetz fur die Muselmanner durch Muhammed den Sohn Abdall,nebst einigen feyerliclichen koranischen Gebeten,unmittelbar aus dem Arabischen ubersetzt,mit Anmerkungen und einen Register nersehen ,und auf verlangen herausgegeben von Friedrich Eberhard Boysen.Halle 1773,in8,p.p.680

اس ترجمہ کی دوسری طباعت تصحیح کے ساتھ ہلہ کے مقام پر 1775 ء میں ہوئی ۔ان دونوں ترجموں کے لئے Michaels Bibliothek.VIII, p30-98 اور اشنورر کے صفحہ 431430 کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے[1]۔

1772ء میں دنڈ فریڈریش اور فریڈریش بویزن سے قرآن کریم کے ترجمہ کا کام شروع ہوا ان ترجموں میں سب سے افضل ترجمہ روڈی باریت کا ترجمہ تھا جیسے پروفیسر عادل ٹیوڈور خوری نے جرمن زبان میں قرآن کریم کا دوسرا ترجمہ کیا۔ اور وہ ترجمہ معتمد بہ ہے۔ عادل خوری نے پہلے تمام ترجموں پر اعتراض کیا ہے اور کہا کہ آیت ''الابذکر اللہ تطمئن القلوب'' میں روڈی باریت نے لا کو نافیہ سمجھا ہے حالانکہ یہ لائے نافیہ نہیں ہے، جس کی وجہ سے قرآن کا ترجمہ تبدیل ہو گیا[2]۔

ترتیب نزولی کے اعتبار سے قرآن کریم کا ترجمہ:

ظهرت لاول مرة ترجمة القرآن الكريم حسب التنزيل ،قام بها رودويل**Rod well**سنة ١٨٦١،اتبع فيها هذا المستشرق سبيلا آخر غير المعهود ،حيث جعل ترجمة قائمة على الترتيب الزمني حسب نزول الآيات و السور ،فبدأ بآيات (اقرا باسم ربك۔)[العلق:١]وانتهى (اليوم اكملت لكم دينكم)[المائدة:٣]

ترجمہ: 1861ء میں روڈویل(J.M Rod well)نے پہلی مرتبہ قرآن کریم کا ترتیب نزولی کے اعتبار سے ترجمہ کیا۔ اور یہ ایک غیر معہود کام تھا کہ قرآن کریم کا سورتوں اور آیتوں کی ترتیب زمانی کے اعتبار سے ترجمہ کرنا۔ سورۃ العلق کی آیت(اقرا باسم ربك...)سے ابتداء کی اور(اليوم اكملت لكم دينكم)پر اختتام کیا۔

قرآن کریم کا اشعار کی صورت میں ترجمہ:

قام ادوارى هنرى بالمر (**E.H.Palmer**)من جامعة كمبردج باخراج ترجمة للقرآن الكريم فى قالب شعرى عامى،زعما منه ان اسلوب القرآن اسلوب بدائى وعرهما يجب نقله الى العامية حتى يفهم ،ونشرت هذه الترجمة لاول مرة سنة ١٨٨٠ وحظيت بالشهيرة[3]۔

---

[1] موسوعۃ المستشرقین، ص444

[2] قراۃ تقدیمہ فی (تاریخ القرآن) للمستشرق تھیودور نولد کہ: ص96

[3] المستشرقون والقرآن الکریم، ص291۔292

ترجمہ: ایڈورڈ ہنری پالمر جو کہ کیمبرج یونیورسٹی کا فاضل تھا اس نے قرآن کریم کا ترجمہ عام اشعار میں کیا اس کا گمان یہ تھا کہ قرآن کریم کا اسلوب ایک نیا اور دشوار اسلوب ہے لہذا اس کو عام فہم زبان میں نقل کیا جائی تا کہ سمجھا جاسکے۔ یہ ترجمہ 1880ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا اور کافی مشہور ہوا۔ اگر مان لیا جائے جو کچھ اس مترجم کے ذہن میں تھا تو یہ بات اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مترجم ایک جاہل، غافل اور خائن اور قرآن کریم کی بلاغت جو اعجاز جو نظم، اسلوب، معنی، تاثیر اور ہدف کے اعتبار سے اعجاز کی بلندیوں تک پہنچی ہوئی ہے اس سے عاجز ہے۔

خلاصہ:

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب مغرب اور مشرق کے درمیان فاصلے مٹنا شروع ہوئے اور مغرب مشرقی علوم کی طرف سنجیدگی کے ساتھ متوجہ ہوا۔ خاص کر یورپی ممالک نے علوم اسلامیہ میں خاص توجہ دی اور ایک نئی اصطلاح پیدا ہوئی جس کو استشراق کہا جاتا ہے اور ان علوم کے حاصل کرنے والوں کو مستشرقین کا نام دیا گیا۔ چنانچہ مستشرقین نے علوم اسلامیہ میں خصوصی دلچسپی لینا شروع کی اور اس سے ان کا مقصد دین اسلام کی ترویج نہیں بلکہ دین اسلام کی تعلیمات اور اصل تصویر کو مسخ کرنے کے علاوہ اسلام کے غلبہ کا خوف، عیسائیت کی ترویج اور بہت سے مختلف سیاسی مقاصد تھے۔ اس کے لیے انہوں نے جس چیز کو سب سے پہلا ہدف بنایا وہ قرآن کریم تھا۔ چنانچہ سابقہ برطانوی وزیر اعظم رہنما ولیم گلاڈسٹن (William Evart Gladstone) نے 1882ء میں کہا تھا کہ جب تک قرآن موجود ہے، یورپ کے لیے مشرق کو مغلوب کرنا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ یہاں سے قرآن کریم کی طباعت اور تراجم کا نیا دور شروع ہوا جس میں قرآن کریم کی مختلف ممالک میں طباعت اور مختلف زبانوں میں تراجم کیے گئے جن کا ذکر اس مقالہ میں ہے اور اس کے ساتھ ان مستشرقین کا ذکر بھی کیا گیا ہے جنہوں نے طباعت میں حصہ لیا یا ترجمہ کیا۔

(ختم شد)
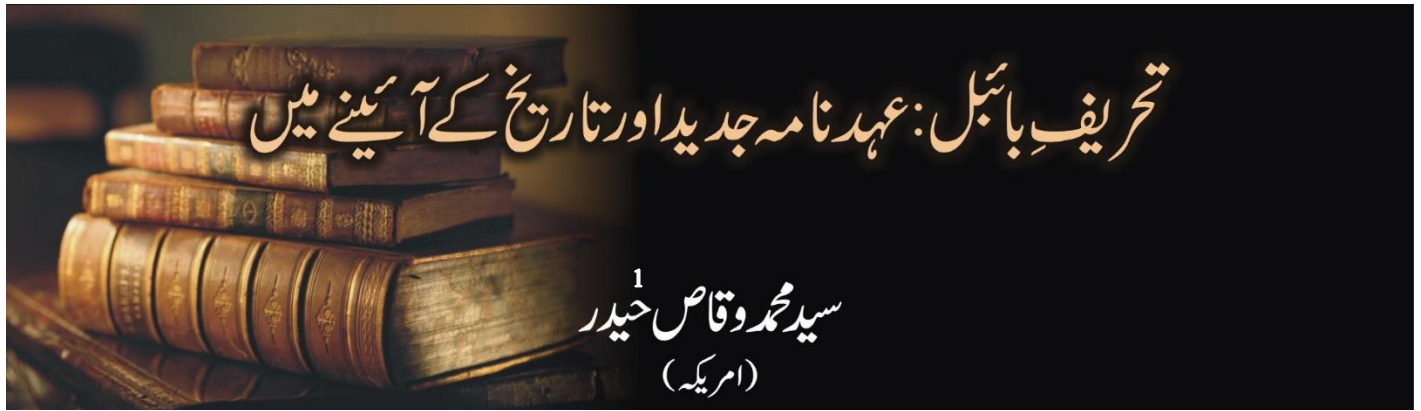
بائبل مقدس مسیحی دنیا کے لئے خدا کا ناقابل تغیر کلام ہے۔ مسیحی علماء کے مطابق یہ دعوی بنی اسرائیل / یہودیوں کی تاریخِ وحی کے اندر اپنی جڑیں رکھتا ہے، لہٰذا یہ دلیل بحیثیت ثبوت تاریخی طور پر ناقابل مواخذہ ہے

تاہم، تاریخ کا مطالعہ کرنے پر ہمیں کچھ ایسے حقائق سے بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے، جو عیسائی دعوی کے خلاف جاتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔۔ بائبل مقدس کی انگریزی اور دنیا کی دیگر زبانوں میں ترجمے (Translation Process) کی داستان بہت عجیب مگر دلچسپی سے بھرپور ہے۔ دنیا بھر کی زبانوں میں ہونے والے "بائبلی تراجم" کی بنیاد عصر حاضر کے انگریزی ترجمہ ورژن (English Versions) ہیں، جن کو دیگر اقوام بطور "سند (Certified Text) "استعمال کرتی ہیں اوران پر اندھا اعتماد رکھ کر دُنیا بھر کے مسیحی اپنی اپنی زبانوں میں بائبل کے ترجمہ کا کام کر رہے ہیں۔۔ مثال کے طور پر بائبل کے ایک اہم "اُردُو ترجمہ" کی بنیاد انگریزی زبان کا 1978ء میں شائع ہونے والا "نیو انٹر نیشنل ورژن (NIV) "ہے۔اِس سے ایک چیز واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ بائبل کے 99٪ تراجم در حقیقت کسی "ترجمے کا ہی ترجمہ" ہیں، جبکہ دنیا کی کسی بھی معتبر زبان میں پائے جانے والے ترجمے اور بائبل کے عہد نامہ ہائے جدید وقدیم (New & Old Testaments) کے اصل متن کے مابین کوئی براہ راست تعلق اور ربط ضبط موجود نہیں ہے۔

حیرت انگیز امر یہ ہے کہ جن مختلف یونانی "متون / مخطوطات (Greek Manuscripts) "پر آج تک کیے جانے والے انگریزی تراجم کی بنیاد استوار ہے، وہ بھی کم از کم "چار"(4) بنیادی قسموں میں منقسم ہیں۔۔ لہٰذا ہم بادلیل کہہ سکتے ہیں کہ آج کم از کم "چار عدد عہد نامہ جدید" مسیحی دنیا میں موجود ہیں، جو کہ اصل ہونے کے دعویدار ہیں۔۔ تاہم ان میں سے کسی کے متعلق بھی سو فیصد (100٪) یقین سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ہی اصل عہد نامہ جدید ہے۔۔ اِس پر مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ آج تک دریافت ہونے والے 14

---

[1] سیدؔ محمد وقاص: محقق تقابل ادیان: بابِ العلم ریسرچ فاؤنڈیشن

ہزار سے زائد قدیم مخطوطات میں سے کوئی ایک مخطوطہ یا متن بھی مکمل شکل میں دستیاب نہیں ہے۔۔ مزید بر آں، اس سے بڑھ کر دلچسپ امر یہ ہے کہ ان ہزاروں مخطوطات میں سے کوئی سے دو نسخے بھی باہم مشابہت نہیں رکھتے۔ یعنی اُن کی عبارت میں کسی نہ کسی مقام پر تفاوت ضرور موجود ہے۔

آج مسیحی دنیا کے پاس سب سے قدیم نسخہ "کوڈیکس ویٹیکانس (Codex Vaticanus) " ہے، جو 310ء سے 325ء کے لگ بھگ کہیں لکھا گیا۔ دوسرا اقدیم ترین واہم ترین نسخہ "کوڈیکس سینا ٹیکس (Codex Sinaiticus) " ہے، جو کہ 375ء یا اس کے بعد مسیحی کاتبین کی جانب سے تحریر کر کے صحیفے (Codex) کی شکل میں ڈھالا گیا۔ جبکہ تیسرا اقدیم ترین یونانی نسخہ "کوڈیکس الیگزینڈرینوس " (Codex Alexandrinus) کہلواتا ہے، جس کے لکھے جانے کا زمانہ پانچویں صدی عیسوی ہے۔۔ مسیحیت کے پاس تصدیق عہد جدید کے لئے فخر کئے جانے کے قابل کل اثاثہ یہی 3 قدیم نسخے ہیں۔۔ تاہم یہ سب نسخے عہد جدید کے لکھے جانے کے اصل زمانہ سے کم از کم 2 سے 4 صدیاں بُعد کی پیداوار ہیں اور اصل متن کی نمائندگی نہیں کرتے۔۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی نسخہ مکمل عہد نامہ جدید یعنی موجودہ 27 کتابیں اپنے اندر نہیں رکھتا۔ یعنی یا تو کُتب کی تعداد کم پائی گئی ہے، یا پھر زیادہ! مثال کے طور پر، کوڈیکس ویٹیکانس میں پوری یہودی بائبل (عہدِ قدیم) کا یونانی ترجمہ جو کہ "Septuagint" کہلاتا تھا موجود ہے، لیکن مسیحی صحیفہ کے 1 اور 2 تیمتھیس (Timothy)، طِطُس، (Titus) فلیمون (Philemon) اور مکاشفہ (Revelation) نامی کُتب اِس کوڈیکس کا حصہ نہیں ہیں۔ دوسری طرف "کوڈیکس سینا ٹیکس" کا معاملہ قدرے مختلف اور پیچیدہ نظر آتا ہے، کیونکہ اِس میں پورا عہد نامہ جدید تو بیشتر اِملائی تحریفات کے ساتھ موجود ہے ہی، لیکن اِس کے ساتھ ساتھ "شیپرڈ آف ہرماس (Shepherd of Hermas) " اور "برنباس کا خط (Epistle of Barnabas) " بھی الہامی کتب کی فہرست میں خُدا کے کلام کی حیثیت سے موجود ہیں۔ تاہم، اِس کے بر عکس عہدِ قدیم اِس کوڈیکس میں پوری طرح سے سلامت حالت میں نہیں پایا گیا۔ تیسرا اور جامع ترین مخطوطہ "کوڈیکس الیگزینڈرینوس" بھی اِن مسائل سے خالی نہیں، کیونکہ اِس کے مسودہ کے مسیحی عہد نامے والے حصے میں 27 قانونی کُتب کے علاوہ "1 اور 2 کلیمنٹ (Clement) " بھی موجود ہیں، جبکہ عہدِ قدیم میں "اپوکریفا (Apocrypha) " کتب کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ لہٰذا تنقیدی اعتبار سے دیکھا جائے تو اِن مسودات کی صحت پر سوال پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ بائبل کے مجموعی "قانون" (Canon) کے متعلق بھی شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔

دوسرے لفظوں میں عیسائی "صحیفائی قانون (Scriptural Canon) " کی توثیق بھی ان مسودات سے کسی طور ممکن نہیں ہے! مزید بر آں، مسیحی فاضلین تسلیم کرتے ہیں کہ ان مسودات میں کثرت سے "کاتبین کی غلطیاں" اور بعد کی "تحریفات واضافہ جات "

(Scribal Errors & interpolations)موجود ہیں، جن کی ایک لمبی فہرست اضافوں کے ساتھ فاضل مغربی مسیحی علماء متعدد بار شائع بھی کر چکے ہیں۔ ان میں سے اکثر تحقیقی نتائج پر مشتمل شائع ہونے والی کتابوں کے حقوق "United Bible Society" کے ہاتھ میں ہیں، جسے عُرفِ عام میں UBS کے نام سے پُکارا جاتا ہے۔

ان نسخوں کی بنیاد پر "عہد نامہ جدید" کے جو4اہم یونانی ورژن (Greek Versions) یونانی متن کی تعمیر نو کے بعد تخلیق کیئے گئے ہیں،وہ یہ ہیں:

1 ۔"ویسٹکاٹ اینڈ ہورٹ -- (Westcott & Hort) "انیسویں صدی عیسوی!

2۔"نیسلے-الاند -- (Nestle-Aland) "انیسویں صدی عیسوی!

3۔ UBS " گریک نیوٹیسٹامنٹ -- (United Bible Society Greek New Testament) " بیسویں صدی عیسوی! (آج کے جدید ترین بائبلی ورژن، مثلاً نیو انٹر نیشنل ورژن (NIV) ، نیو امریکن اسٹینڈرڈ ورژن (NASB) ، ریوائزڈ اسٹینڈرڈ ورژن (RSV) ،امریکن ریکوری ورژن (ARV) وغیرہ انہی 3 مختلف المتن یونانی متنوں پر مبنی انگریزی تراجم ہیں۔

4۔"ٹیکٹوس ریسپٹوس (Textus Receptus) " -۔سولہویں صدی عیسوی 1881 !ءمیں شائع ہونے والے بائبل کے "ریوائزڈ ورژن (Revised Version) "نے اُنیسویں صدی میں ترتیب دیئے گئے "ویسٹکاٹ اینڈ ہورٹ "کے یونانی متن کو کام میں لاتے ہوئے زمانہ قدیم سے "مقدس گائے" سمجھی جانے والی "کنگ جیمس ورژن بائبل (KJV) "کی قانونی ومذہبی حیثیت کوچیلنج کر دیا تھا۔ یہ ایسا موقع تھا جب مسیحی پادریوں نے "ریوائزڈ ورژن" نامی اِس نئے ترجمہ کو "شیطان کی بائبل" اور مسیحیت کے خلاف سازش قرار دیا تھا۔ لہٰذا، قدامت پسند مسیحیوں کی جانب سے اِس ترجمہ کے ہزاروں نسخے سرِعام جلا کر غصہ نکالا گیا۔

"کنگ جیمس ورژن بائبل"(1611ء)کا انگریزی ترجمہ سولہویں صدی عیسوی میں کیتھولک چرچ کے تحت تشکیل دئے گئے یونانی متن "ٹیکٹوس ریسپٹوس" پر استوار کیا گیا تھا۔ تاہم یہ ترجمہ کلی طور پر نیا اور جدت پر مبنی نہیں تھا(اِس بات کا وضاحتی ذکر آگے آرہا ہے)۔

"ٹیکٹوس ریسپٹوس" کیتھولک اِسکالر "اراسمس (Desiderius Erasmus) "کا تیار کیا ہوا متن تھا، جو اس نے "سینٹ جیروم " (Saint Jerome)کے مشہور زمانہ لاطینی ترجمہ "وولگاتا (Vulgate) "اور فی زمانہ دستیاب کچھ یونانی قلمی مسودات کی مدد سے تیار کیا تھا۔ یاد رہے کہ تشکیل متن کے دوران کئی ایک مقامات پر "اراسمس" نے یونانی مسودات میں عہد نامہ جدید کی کسی غیر دستیاب (Missing) آیت کو رائج الوقت لاطینی متن سے اٹھا کر واپس یونانی میں ترجمہ کر دیا اور اسکو عہد نامہ جدید کا اصلی متن قرار دے دیا۔۔مثال کے طور پر، کتاب مکاشفہ (Revelation) کی آخری 8 آیات (باب 22، آیات 14 تا 21)، 1 یوحنا5:7-8 (باب 5،

آیات 7 تا 8) وغیرہ اسی زمرے میں آتی ہیں (اِس پر مزید بات آگے چل کر ہو گی)۔ مزید حیران کن امر یہ ہے کہ اِس سے قبل کم از کم پورے ایک ہزار سال تک مسیحی دنیا کے پاس عہد نامہ جدید کا کوئی باقاعدہ "متفق الآراء" یونانی متن سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ اس لئے کیتھولک چرچ نے سینٹ جیروم کے "وولگاتا (Latin Vulgate)" کو ہی "خدا کے الہامی کلام" کا درجہ دے رکھا تھا، جس کی یہ حیثیت کسی نہ کسی طور آج بھی برقرار ہے!

چونکہ یہ سارا عمل بازنطینی سلطنت کی زیرِ سرپرستی طے پایا، لہٰذا یہ ضروری تھا کہ قسطنطنیہ میں نشست فرما شہنشاہ کی درباری زبان کو کلام خدا کا آلہ ءاظہار بنایا جائے۔ لہٰذا کلیسیا کو یہ ذمہ داری سونپ دی گئی، جس نے فوری طور پر "جیروم" نامی متقی مسیحی اور ماہرِ لسانیات والٰہیات کو یہ فریضہ سرانجام دینے کی ذمہ داری منتقل کر دی۔ بازنطینی سلطنت کی سرکاری زبان لاطینی میں بائبل کے ترجمے کے اس منصوبے کی شروعات سینٹ جیروم کی نگرانی میں 382 عیسوی میں ہوئی اور یہ منصوبہ 405ء میں مکمل ہوا۔ اس ترجمہ کو لاطینی زبان میں "Vulgate" یعنی روزمرہ محاورہ کی "عام فہم زبان" کا نام دیا گیا۔ جیروم کے "Latin Vulgate" پر مبنی انگریزی زبان میں کیا گیا بائبل کا ترجمہ "Douay-Rheims English Bible" کہلاتا ہے، جو کہ صرف "کیتھولک عیسائیوں" کے ہاں استعمال کیا جاتا ہے، جبکہ پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگ اِس کو استعمال کرنے سے کتراتے ہیں!

مسیحی دنیا میں آج بھی یہ تنازعہ بڑی شدت کے ساتھ موجود ہے کہ یونانی زُبان میں موجود عہد نامہ جدید کے ان "چاروں ورژنز" میں سے اصلی "مسیحی عہد نامہ" کے قریب ترین کون سا ہے؟ کیا یہ مسیحیت کے سرچشمہ سے پُھوٹنے والے اِلہامی متن کے اِرتقاء کو ظاہر کرتے ہیں یا پھر یہ سبھی باہم مختلف صحیفے ہیں جو مختلف مکاتبِ فکر کے فکری اسلوب اور متنی فہم کی نمائندگی کرتے ہیں؟ تاہم، اِس بات کا کسی کے پاس کوئی مؤثر جواب نہیں ہے۔۔ البتہ مسیحی اسکالرز مسیحی صحیفہ کے متن کی تعمیر نو (Reconstruction) کے عمل پر بڑی شدّومد سے کام کرتے ہوئے اِس جستجو میں ضرور نظر آتے ہیں کہ اصل متن کے جتنا قریب ممکن ہو سکے پہنچا جائے۔ لہٰذا اِس مقصد کے مد نظر ناقدینِ متن ایک سائنسی اسلوب اختیار کرتے ہیں اور درجہ بندی کا طریقہ ءکار وضع کرتے ہوئے وہ بائبل کے متن کو اے (A)، بی (B)، سی (C)، ڈی (D)، ای (E)، اور ایف (F) کے درجوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اِس درجہ بندی کا مطلب کیا ہے، اِس کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے:

A. "اے" سے مراد وہ متن ہے، جو ہر طرح سے تصدیق شدہ ہے۔

B. "بی" سے مراد وہ متن ہے، جو اکثریت سے تصدیق شدہ ہے۔

C. "سی" سے مراد وہ متن ہے، جو کافی مخطوطات میں موجود ہو۔

D. "ڈی" سے مراد وہ متن ہے، جو بہت کم نسخوں میں پایا گیا ہو۔ لیکن اس پر علماء کی پختہ رائے موجود ہو کہ یہ قابل اعتماد ہے۔

E. "ای" سے مراد وہ متن ہے، جو ایک یا دو نسخوں میں موجود ہو، اور مشکوک کی فہرست میں آتا ہو۔

F. "ایف" سے مراد وہ متن ہے، جو محض ایک نسخہ میں یا صرف بعد کے زمانہ کے مسودات میں پایا گیا ہو، اور متن کے نقاد ماہرین اسے 'نا قابل اعتماد' قرار دے چکے ہوں۔۔ مثال کے طور پر، انجیل مرقس کے 16 ویں باب کا طویل اختتام (آیات 9 تا 20) جس میں "یسوع مسیح کی حیات ثانیہ (Resurrection) "کا ذکر ہے، اسے متن کے ماہرین "ایف" کا درجہ دے کر مسترد کر چکے ہیں۔ لہٰذا بائبل کے ہر جدید ورژن کے حاشیہ میں اِس بات کا ذکر ضرور موجود ہوتا ہے کہ یہ تحریر قدیم نسخوں میں نہیں پائی جاتی، لہٰذا یہ مشکوک ہے۔ اسی طرح ماہرین متن انجیل یوحنا کے 8 ویں باب میں موجود "بدکار عورت اور اس کی سزا" والے واقعہ (آیات 1 تا 11) کو بھی "ایف" کا درجہ دے چکے ہیں، جس سے مُراد یہ ہے کہ یہ واقعہ بعد میں کیا گیا دانستہ اضافہ ہے اور انجیلِ یوحنا کے اصلی متن میں سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ یوحنا رسول کے پہلے خط کا متن بھی اضافہ جات سے نہ بچ سکا اور ناقدینِ متن کو اِس کے اندر بھی "ایف" کا درجہ جاری کرنا پڑا۔ یوحنا کے پہلے خط میں موجود "یوحانوی کوما (Johannine Comma) " مسیحی الٰہیات کی ایک معروف اصطلاح ہے، جس سے مراد وہ 'واحد' بائبلی حوالہ ہے جس کی بنیاد پر "تثلیث" کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ تاہم اِس یوحانوی کوما کے متعلق علماء کا خیال ہے کہ یہ قرُونِ وسطیٰ کی ایجاد ہے۔ لہٰذا خط کے اندر سے اِس اضافی متن کو مسترد کر کے بائبل سے کلیۃً نکال دیا گیا۔ تاہم دلچسپ امر یہ ہے کہ یہ متنازع متن آج بھی "کنگ جیمس ورژن بائبل" اور اِس مکتبہء فکر سے منسلک انگریزی و دیگر زبانوں کے تراجم کا بدستور حصہ ہے۔ حوالہ کے لئے یہاں انگریزی متن پیش کیا جارہا ہے

G. King James Version Bible (KJV): “For there are three that bear record in heaven, the Father, the Word, and the Holy Ghost: and these three are one. And there are three that bear witness in earth, the Spirit, and the water, and the blood: and these three agree in one[1].”

اور اب اِس قدیمی متنِ بائبل سے موازنہ کے لئے عصرِ حاضر کی معروف ترین انگریزی بائبل کا متن ملاحظہ ہو:-

New International Version Bible (NIV):

[1] 1 John 5:7-8

H. “For there are three that testify: the Spirit, the water and the blood; and the three are in agreement[1].”

ایک اور حیرت انگیز تاریخی حقیقت یہ ہے کہ "کنگ جیمس ورژن بائبل" تقریباً 92٪ چربہ ہے اِس سے پون صدی قبل شائع ہونے والی "Tyndale Bible" کا، جو کہ William Tyndale نامی سولہویں صدی کے معروف انگریز مسیحی سکالر کا کیا ہوا ترجمہ تھا۔ تاہم یہ بات باعثِ حیرت ہے کہ ٹنڈیل بائبل میں "یوحانوی کوما" کا کہیں کوئی وجود نہیں تھا، جبکہ پون صدی بعد "کنگ جیمس ورژن" کی صورت میں شائع ہونے والا اِس کا Updated ایڈیشن اپنے اندر 'کوما' نامی تثلیثی تحریف رکھتا تھا۔

علاوہ ازیں، انجیلِ یوحنا کے ابواب اوّل اور سوّم میں موجود ایک انتہائی اہم تحریف کو بھی مسیحی علماءِ فنِ متن کی جانب سے حذف کر دیا گیا۔ انجیلِ یوحنا کے پہلے باب کی آیت نمبر 14 اور تیسرے باب کی آیت نمبر 16 کے متن میں موجود "متولد (Begotten)" کا لفظ بعد کے زمانہ کی تحریف مان کر مٹا دیا گیا، اور متن کو 'اِکلوتا متولد بیٹا (only begotten son)' کی جگہ 'اِکلوتا بیٹا (one and only son)' کر دیا گیا۔ اِس اہم تبدیلی کا حوالہ بھی مذکورہ بالا معروف انگریزی ترجموں سے ذیل میں دیا جا رہا ہے:-

“And the Word was made flesh, and dwelt among us, (and we beheld his glory, the glory as of the only begotten of the Father,) full of grace and truth.”[2]

“The Word became flesh and made his dwelling among us. We have seen his glory, the glory of the one and only Son, who came from the Father, full of grace and truth.”[3]

“For God so loved the world that he gave his only begotten Son, that whosoever believeth in him should not perish, but has everlasting life.”[4]

“For God so loved the world that he gave his one and only Son, that whoever believes in him shall not perish but have eternal life.”[5]

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ مذکورہ بالا تحریف مسیحیت کو "بیٹا پرستی / ابنیت (Sonship)" کی بائبلی بنیاد فراہم کرنے کے لئے کرنا پڑی، کیونکہ اِس کے علاوہ یسوع کا "خُدا باپ" سے رشتہ بالکل ویسے ہی عمومی نوعیت کا تھا، جیسا کہ یہودی عقیدہ کے مطابق ہر یہودی خُدا کا بیٹا ہے۔ اِس عمومی یا غیر تثلیثی "لے پالکی (Son Adoption)" کے بکثرت حوالہ جات عہد نامہ قدیم کے اندر جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں۔

ایک اور اہم تحریف انجیلِ لوقا کے باب 23، آیت 34 کی زینت بنی، جہاں بعد کے کاتبین نے نامعلوم کس کے ایماء پر یسوع کے منہ میں یہ الفاظ ڈالے:

[1] 1 John 5:7-8
[2] John 1:14 KJV
[3] John 1:14 NIV
[4] John 3:16 KJV
[5] John 3:16 NIV

"اے باپ! اِن کو معاف کر کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں۔"

محققینِ تاریخ کے مطابق اِن الفاظ کا اضافہ پہلے ادوار کے مسیحیوں کی 'یہود دشمنی' کا نتیجہ تھا، کیونکہ مسیحی دُنیا میں یہودیوں کو ہمیشہ "قاتلینِ مسیح (Christ Killer)" کے لقب سے ملقّب کر کے نفرت کی تلوار کی نوک پر رکھا گیا۔ اِس آیت میں یسوع کی دُعا کا مطلوب "رومیوں" کو بنا کر اُن کے لئے مسیحیت کے اندر نرم گوشہ پیدا کیا گیا، تاکہ رُومی سلطنت کے مسیحیت قبول کرنے پر اُن پر کوئی داغ باقی نہ رہ جائے۔ اِس عبارت کو بعض علماء نے "ای "E / اور بعض نے "ایف "F / کے درجے میں رکھا۔ لہٰذا یہ عبارت جدید یونانی ورژنز اور انگریزی تراجم کے متن کا بدستور حصہ تو رہی، لیکن ہر ایک بائبل کے اندر اِس آیت کے حاشیہ میں اِس کی مشکوک حیثیت کا ذکر ضرور کر دیا گیا۔ مزید، اِسی باب کی آیت 17 کو بھی مسیحی محققین کے ہاں بائبل کے متن میں اِضافہ شمار کیا جاتا ہے، لہٰذا اِس تحریف کا ذِکر بھی بائبل کے تقریباً ہر جدید ورژن میں موجود ہے۔

- ✓ مزید بر آں، اِنجیلِ متی باب 17، آیت 21 کا بھی قدیم مسودات میں کہیں کوئی وجود نہیں ہے۔ لہٰذا اِس پیچیدگی کا حل یہ نکالا گیا کہ یا تو بائبل کے کچھ جدید نسخہ جات سے اِس آیت کو مکمل طور پر حذف کر کے 20 کے بعد متن میں آیت نمبر 22 کو ڈال دیا گیا، یا پھر "کنگ جیمس ورژن بائبل" کے متن کو ہی بریکٹیں ڈال کر جدید ترجمہ کے ساتھ شامل کر لیا گیا، تاہم، ساتھ ہی حاشیہ میں اِس عبارت کی مشکوک تاریخی نوعیت کا ذکر بھی کر دیا گیا۔
- ✓ اِسی طرح اِنجیلِ متی باب 18، آیت 11 کے ساتھ بھی بالکل یہی معاملہ پیش آیا اور اِس آیت کو یا تو بائبلی متن سے مکمل طور پر حذف کر کے آیت کا نمبر چھوڑ دیا گیا، یا پھر بریکٹوں کا سہارا لے کر کنگ جیمس ورژن والی عبارت کو ہی جدید زبان میں منتقل کر کے حاشیہ آرائی کر دی گئی کہ عبارت قدیم ترین مستند صحائف سے غائب ہے۔
- ✓ علاوہ ازیں، اِنجیلِ متی باب 23، آیت 14 کے ساتھ بھی بالکل یہی معاملہ پیش آیا اور یہ آیت بھی بریکٹوں میں بند کر دی گئی۔
- ✓ اِس کے بعد انجیلِ یوحنا کے باب 5، آیات 3 اور 4 میں بھی مسیحی علماء کو یہی مسئلہ درپیش تھا کہ قدیم مسوداتِ عہد نامہ جدید کے اندر اِن آیات کی آج پائی جانے والی عبارت کا کہیں کوئی نشان نہ تھا، لہٰذا معاملہ یہاں بھی بریکٹوں کے سپُرد کر کے حاشیہ میں تحریف کا گول مول الفاظ میں اعتراف کر لیا گیا اور قصہ ختم سمجھا گیا۔

یہاں تک کی گئی گفتگو سے یہ تاثر یقیناً مضبوط ہو رہا ہو گا کہ تحریف پر مبنی زیادہ تر مسائل "اناجیل اربعہ" میں ہی پائے جاتے ہیں۔ تاہم، یہ تاثر حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ دراصل اناجیل سے باہر دیگر کُتبِ عہدِ جدید میں بھی بکثرت تحریفات پائی جاتی ہیں، جن میں جہاں اکثر کاتبین کی قلمی غلطیوں کا نتیجہ ہیں، تو وہیں ایک کثیر تعداد اِرادتاً و دانستہ کی جانے والی تحریفات کی بھی ہے۔

✓ مثال کے طور پر، تیمتھیُس (Timothy) کے نام پہلے خط کے باب 3، آیت نمبر 16 میں ایک ایسا ہی تحریفی واقعہ پیش آیا، جو ناقدینِ متن کے مطابق پولوسی مسیحیت کے پیروکار کلیسیاء کی قرُونِ اُولیٰ کی دینیاتی منشاء کو ظاہر کرتا ہے۔ اِس مخصوص تحریف نے بلاشبہ مسیحی دینیات والٰہیات کی تدریجی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ یہاں تحریف کی سنگین نوعیت پر روشنی ڈالنے کے لیے ہمیں یونانی رسم الخط کا بھی سہارا لینا پڑے گا، کیونکہ اِسی رسم الخط میں اِبتدأ عہدِ جدید لکھا گیا تھا۔ یہاں آیت 16 میں یسوع کی طرف نسبت رکھنے والا ایک اہم جملہ "وہ جو جسم میں ظاہر ہُوا" ہے۔ انگریزی زُبان کے جدید ترجموں میں یہ جملہ کچھ یُوں پایا گیا ہے:

"He appeared in the flesh..." (NIV) یا "He who was revealed in the flesh..." (NASB)

✓ تاہم، "کنگ جیمس ورژن بائبل" اور اِس سے متعلقہ دیگر سبھی تراجم اِس کو کچھ اِس طرح لکھتے ہیں:-

"God was manifest in the flesh ---" (KJV) یا "God was revealed in the flesh..." (MEV)

✓ ☚ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا بنیادی فرق کیوں ہے؟ آخر "وہ" کے انسانی صیغہءمذکر کو "خدا" کے لفظ کے ساتھ کیسے بدل دیا گیا؟

☜اِس پیچیدگی کا جواب یُونانی متن میں ہے۔ اصل متن میں اسمِ ضمیر "وہ (He)" کی ثانوی حالت "جو (who)" کے لیے جو یُونانی لفظ استعمال ہُوا ہے، وہ Omicron Sigma یعنی) Oς" ہوس) ہے۔ مزید واضح کرتا چلوں کہ یُونانی زُبان میں خُدا کے لیے) θεός تھیوس) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ غور کرنے پر معلوم ہو گا کہ θεός کے آخری دونوں حروف بھی Omicron Sigma ہی ہیں، جو مذکر کی حالتِ ضمیر "جو" کے لیے قدیم یُونانی زُبان میں مستعمل تھے۔ لٰہذا مسیحی دُنیا کی تیسری اور چوتھی صدیوں کی باہمی لڑائی اور مذہبی مناظرہ جات کے دوران یسوع کو خُدا ماننے والے تثلیثی فرقہ کے کاتبین نے کلیسیائی زُعما کے ایماء پر Oς" کے ساتھ Theta Epsilon یعنی θε کا اضافہ کرکے نیا متن وسیع پیمانے پر شائع کر دیا۔ پس، یُوں Oς" کے لفظ کو θεός بنا کر "وہ جو" سے "خُدا" بنا دیا گیا۔ اِس تحریف کا محرک "توحیدی" مسیحیوں کے ساتھ مباحثوں اور مناظروں میں یسوع کی اُلوہیت کو عہد نامہ جدید کے متن سے ثابت کرنا تھا۔ چونکہ "خُدا" کا لفظ پچھلی دو صدیوں میں دریافت ہونے والے قدیمی مخطوطات میں نہیں پایا گیا، لٰہذا اجدّت پسند مسیحی علماء نے عمداً کی گئی اِس صریح تحریف کا اعتراف کرتے ہوئے عبارت کو واپس "وہ جو (He who)" سے بحال کر دیا ہے۔ تاہم، دُوسری طرف رجعت پسند مسیحی علماء ومُقلّدین آج بھی لفظ "خُدا" والی عبارت سے چمٹے ہوئے ہیں۔

اِس کے علاوہ بھی بائبل کے مسیحی عہد نامہ (New Testament) کے اندر کئی ایک مزید ایسے مقامات موجود ہیں، جن کو خود مسیحی علماء کی طرف سے "ایف" کا درجہ دیا جا چکا ہے اور اب ان کو علمی حلقوں میں بطورِ حوالہ مسترد کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "کنگ جیمس ورژن بائبل" اور بائبل کے دیگر جدید تراجم کے درمیان لفاظی، اسلوب اور مضامین کا واضح فرق موجود ہے!

تاہم مغرب کے غیر تعلیمی و تحقیقی کلیسیائی حلقوں میں اب بھی اِن تحریفات کے تسلسل اور تقدیس کا سلسلہ اُسی شدت سے پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ”کنگ جیمس ورژن“ آج بھی سب سے زیادہ فروخت ہونے والی بائبل ہے۔ چونکہ مسیحی الٰہیات میں اِن مرکزی نوعیت کی تحریفات پر قائم شدہ عقائد عام مسیحی افراد کے ایمان اور شخصیت کے اندر اِس قدر ڈھل چکے ہیں، کہ مسیحیت کی کوئی اور (مثلاً خالص توحیدی) شکل قبول کرنا اُن کے لئے ممکن ہی نہیں، لہٰذا علماء و محققین کی نِت نئی دریافتوں، شبانہ روز کی ریاضتوں اور کاوشوں کی طرف مسیحی دُنیا (Christendom) کے عام باسیوں کی جانب سے کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ البتہ یہاں بائبل کے متن پر کام کرنے والے مسیحی علماء وناقدین کو داد نہ دینا بھی زیادتی ہوگی، کیونکہ نقدِ متن کے عمل میں اُن کے آگے ”عقیدہ“ نے رُکاوٹ ڈال کر سچ کو جھوٹ کے پردوں میں چھپانے پر مجبور نہیں کیا!

☚ لہٰذا، آخر میں اِس بحث کے فطری نتیجہ کے طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باقی ماندہ بائبل پر اب کس حد تک اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر کیا بھی جائے تو ان مسائل کی واضح موجودگی میں آخر کیسے کیا جائے؟ مزید یہ کہ اِس شعبہ میں ہونے والی جدید علمی پیش رفت کے بَعد کیا "قرآن کریم" کا یہ دعویٰ سچ ثابت نہیں ہوجاتا کہ یہودی اور مسیحی علماء اور کاتبین بلاشبہ الہامی کتابوں کے متن میں دانستہ ونادانستہ دونوں طرح سے ”تحریف“ کرتے رہے ہیں؟ کاتبین کی نادانستہ اغلاط اور اِملائی تغیرات (Textual Variants) کی آج تک دریافت ہونے والی کُل تعداد ایک لاکھ سے اُوپر بنتی ہے، جو کثرتِ تعداد کے باعث محققین کے مطابق عہد نامہ جدید کے مجموعی الفاظ کے حجم کے ہم پلہ ثابت ہوتی ہے۔ تاہم، ہم یہ موضوع یہاں ہماری بحث کا حصہ نہیں، کیونکہ یہ بحث محض دانستہ کی گئی تحریفات تک محدود ہے۔

(واضح رہے کہ اِس مضمون میں بحث محض "عہد نامہ جدید" تک محدود رکھی گئی ہے، جبکہ "عہد نامہ قدیم" کے بارے میں بحث علیحدہ مضمون میں شائع کی جائے گی!)۔

نوٹ: مسیحی بھائیوں کے سامنے میدان کھلا ہے کہ وہ اِس تحریر میں پیش کیے گے حقائق کو ثبوت کی بنیاد پر اگر جھٹلا سکتے ہیں تو وہ ضرور ایسا کر دکھائیں... خوش آمدید!

قرآن کریم اور بائبل مقدس دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ یہودی اپنے وقت میں اللہ تعالیٰ کے نبیوں کا ناحق قتل کرتے رہے ہیں۔ ان معصوم مقدسین کے قتل کی وجہ سے ہی ان پر متعدد بار اللہ کا عذاب مختلف اقوام کی پے درپے غلامی، قتل وغارت کی صورت میں نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعدد بار توبہ کے مواقع ملنے کے باوجود انہوں نے توبہ نہیں کی بالآخر بلسانِ یسوعؑ ان سے خدا کی بادشاہت ہمیشہ کے لیے لے لی گئی اور قرآن مجید کے مطابق یہ لوگ عند اللہ مغضوب ٹھہرے۔ یہودیوں کی یہ روش بابل کی اسیری میں جانے اور وہاں سے واپس آنے کے باوجود تبدیل نہ ہوئی حتیٰ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی بھی کوشش کی مگر اس بار اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام تدبیروں کو ناکام کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا۔

تورات میں "انبیاء کرام علیہم السلام کو بے گناہ قتل کرنے کا ذکر سب سے پہلے سلاطین / ملوک کی کتاب میں ملتا ہے جہاں اسرائیل کے بادشاہ اخی اب کی بیوی ایزبل نبیوں کی ایک بڑی تعداد کو شہید کرواتی ہے۔ ایزبل بعل دیوتا کی پجارن تھی اور اسرائیل کے بادشاہ اخی اب سے شادی کرنے کے بعد اس نے بادشاہ پر بہت زور دیا کہ وہ اسرائیل میں بعل پرستی کی اجازت دے[2]۔ ایزبل کی بت پرستانہ طبیعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے نام (ایز-بعل) کا مطلب بھی "بعل کہاں ہے" تھا[3]۔ بائبل میں اس قتل عام کے متعلق کچھ اس طرح مذکور ہے۔

"جب ایزبل نے خداوند کے نبیوں کو قتل کیا تو عبدیاہ نے سو نبیوں کو لے کر پچاس پچاس کر کے ان کو ایک غار میں چھپادیا[4]۔"

---

[1] فرمان شیخ: ایم اے، ایم ایڈ، ایم فل، فاضل تقابل ادیان

[2] کتاب مقدس مطالعاتی اشاعت (لاہور: پاکستان بائبل سوسائٹی, 2012)، ص۷ ۶۳

[3] Jo Ann Hackett, The Oxford Guide to People & Places of the Bible, ed. Bruce M. Metzger and Michael D. Coogan (Oxford: Oxford University Press, 2004), 150–51.

[4] ۱-سلاطین ۱۸:۴

"جب ایزبل نے خداوند کے نبیوں کو قتل کیا تو میں نے خداوند کے نبیوں میں سے سو آدمیوں۔۔ الخ[1]"

اُس وقت حضرت عبدیاہؑ (عبد اللہ) نے سو نبیوں کو اپنے ساتھ لیا اور خاموشی سے انہیں ایک غار میں چھپا دیا۔ وہ انہیں کھانا پہنچاتے رہے تاکہ یہ مقدسین شاہ اسرائیل اور اس کی بیوی کے شر سے بچ کر سکون سے رہ سکیں۔ ان انبیاء کرامؑ کے نام تو ہمیں نہیں معلوم لیکن بائبل مقدس کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مقدسین کی جماعت یہودی معاشرے کا حصہ تھے اور باقاعدہ بیوی بچوں کے ساتھ رہ رہے تھے۔ اس کی تصریح سلاطین کی کتاب سے ہوتی ہے جہاں ایک گم نام نبی کی اہلیہ حضرت الیشعؑ کے پاس فریاد لے کر آتی ہیں[2]۔ یہ لوگ بعل کی پوجا کرنے والے بنی اسرائیل کے گمراہ لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لیے اپنی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔

ایزبل نے صرف نبیوں کی بڑی تعداد کو قتل کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اُس نے حضرت الیاس علیہ السلام (ایلیاہ) کو بھی جان سے مارنے کی دھمکی دی[3] اور اس کے داماد یہورام[4] نے حضرت الیاسؑ کے شاگرد حضرت الیشعؑ کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کر کے ڈرانے کی کوشش کی لیکن ان دونوں میں سے کوئی دھمکی کارگر ثابت نہیں ہوئی اور نہ ہی وہ اس پر عمل کر سکے۔ چنانچہ بعل دیوتا اور اس کے پجاریوں کی حمایت کرنے اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ستانے اور قتل کرنے کے جرم میں اللہ تعالیٰ نے ایزبل کو یہ سزا سنائی کہ یزرعیل کی فصیل کے نزدیک کتے ایزبل کو کھائیں گے[5]۔ اس سارے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایزبل نے باقاعدہ پورے یہودی معاشرے کے خلاف اقدام اٹھایا تھا جہاں نبیوں کی بڑی تعداد آباد تھی اور یہ تمام لوگ بنی اسرائیل کی اصلاح کی کوششوں میں سرگرداں تھے۔

ٹھیک اسی وقت، یہوداہ کی علیحدہ سلطنت میں یہودیہ کے بادشاہ یوآس[6] نے حضرت زکریاہؑ بن یہویدع کو قتل کرنے کا حکم دیا کیونکہ انہوں نے بادشاہ کے بت پرستی کرنے پر اس کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ چنانچہ بادشاہ کے ہم نواؤں نے انہیں 'ہیکل' کے اندر پتھر مار مار کر شہید کر دیا اور خداوند کے گھر کی حرمت کا خیال بھی نہیں رکھا۔

---

[1] ۱۔ سلاطین ۱۸:۱۳

[2] ۲۔ سلاطین ۱:۴

[3] ۱۔ سلاطین ۱۹:۲

[4] یہورام کے باپ کا نام یہوسفط تھا اور اس نے اخی اب اور ایزبل کی بیٹی عتلیاہ سے شادی کی جس نے اسے اس کے باپ کی نیک راہوں سے گمراہ کر دیا چنانچہ اس نے اپنے چھ بھائیوں کو مار ڈالا اور لوگوں کو جبراً بت پرستی کی طرف مائل کرنے لگا۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی پیش گوئی کے مطابق وہ ایک علاج بیماری میں مبتلا ہوا اور اسی بیماری میں مر گیا۔ (۲ سلاطین ۸:۱۶-۲۴، ۲۔ تواریخ ۲۱:۴-۲۰)

[5] ۱۔ سلاطین ۲۱:۲۳

[6] یوآس اخزیاہ بادشاہ کا بیٹا تھا اور صرف سات سال کی عمر میں یہواہ کی سلطنت کا بادشاہ بنا۔ یہویدع کاہن کے زیر اثر اس نے ہیکل کو بحال کیا اور بعل کی پوجا کو ختم کیا۔ یہویدع کی وفات کے بعد یوآس دوبارہ گمراہ ہو گیا اور اس نے دوبارہ بت پرستی شروع کر دی۔

"اور وہ یسیرتوں اور بتوں کی پرستش کرنے لگے۔۔۔۔۔۔۔ خداوند نے نبیوں کو ان کے پاس بھیجا تا کہ وہ ان کو اس کی طرف پھیر لائیں اور وہ ان کو الزام دیتے رہے پر انہوں نے کان نہ لگایا۔ تب خدا کی روح یہویدع کاہن کے بیٹے زکریاہ پر نازل ہوئی سو وہ لوگوں سے بلند جگہ پر کھڑا ہو کر کہنے لگا! خداوند یوں فرماتا ہے کہ تم کیوں خداوند کے حکموں سے باہر جاتے ہو کہ یوں خوش حال نہیں رہ سکتے؟ چونکہ تم نے خداوند کو چھوڑ دیا ہے اس نے بھی تم کو چھوڑ دیا ہے۔

تب انہوں نے اس کے خلاف سازش کی اور بادشاہ کے حکم سے خداوند کے گھر کے صحن میں اسے سنگسار کر دیا[1]۔"

یہوداہ کا بادشاہ یوآس شروع میں راست باز تھا مگر بعد میں اس پر شیطان غالب آگیا اور اس نے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں نبی کو شہید کروادیا۔ انہی زکریاہؑ کے قتل کا ذکر متی کی انجیل میں یسوعؑ مسیح نے بھی کیا ہے کہ یہودی ہابیل سے لے کر زکریاہؑ تک کے خون کے ذمہ دار ہیں[2]۔

حشمونی بادشاہوں (جو کہ یہوداہ کے بادشاہوں کی اولاد نہیں تھے) نے حضرت زکریاہؑ کی یاد میں یروشلم سے باہر وادیِ قدرون میں ایک بہت بڑا یادگاری مقبرہ تعمیر کروایا[3]۔

بابل کی جلاوطنی میں جانے اور یہوداہ کی سلطنت ختم ہونے سے قبل یہوداہ کے بادشاہ یہویاقیم نے حضرت اوریاؑبن سمعیاہ کو صرف اس وجہ سے قتل کر دیا کہ انہوں نے یہویاقیم کی سلطنت کے زوال اور عنقریب ختم ہونے کی پیش گوئی کی تھی چنانچہ یہویاقیم نے اوریاؑ نبی کو خود اپنی تلوار سے قتل کیا اور ان کی لاش کی بے حرمتی بھی کی۔ یہ سارا واقعہ یرمیاہ کی کتاب میں کچھ اس طرح مذکور ہے۔

پھر ایک اور شخص نے خداوند کے نام سے نبوت کی یعنی اُوریاہؔ بن سمعیاہؔ نے جو قریتؔ یعریم کا تھا۔ اُس نے اِس شہر اور ملک کے خلاف یرمیاہؔ کی سب باتوں کے مطابق نبوت کی اور جب یہوؔیقیم بادشاہ اور اُس کے سب جنگی مردوں اور اُمرا نے اُس کی باتیں سُنیں تو بادشاہ نے اُسے قتل کرنا چاہا لیکن اُوریاہؔ یہ سُن کر ڈرا اور مصرؔ کو بھاگ گیا اور یہوؔیقیم بادشاہ نے چند آدمیوں یعنی اِلناؔتن بن عکبُورؔ اور اس کے ساتھ کچھ اور آدمیوں کو مصرؔ میں بھیجا اور وہ اُوریاہؔ کو مصرؔ سے نکال لائے اور اُسے یہوؔیاقیم بادشاہ کے پاس پہنچایا اور اُس نے اُس کو تلوار سے قتل کیا اور اُس کی لاش کو عوام کے قبرستان میں پھینکوا دیا[4]۔

بعد میں صدقیاہ بادشاہ کے دور میں اُس کے درباری امرا نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ وہ یرمیاہؑ نبی کو قتل کروا دے کیونکہ یہ لوگوں کا خیر خواہ نہیں ہے لیکن بادشاہ ان کی باتوں میں نہیں آیا اور اس نے یرمیاہؑ نبی کا دفاع کیا۔ صدقیاہ بادشاہ نہایت کمزور حکمران تھا جسے کٹھ پتلی حکمران کہا جائے تو

---

[1] ۲-تواریخ ۲۴:۱۸-۲۱

[2] متی ۲۳:۳۵

[3] Samuel Rocca, *Herod's Judaea*, (2008), 365.

[4] یرمیاہ ۲۶:۲۰-۲۳

بے جانہ ہو گا۔ اس کے امراء جانتے تھے کہ وہ اس قابل نہیں کہ انہیں روک سکے چنانچہ ان شریروں نے یرمیاہؑ نبی کے خلاف خود کاروائی کی اور انہیں پکڑ کر ایک قید خانے کے صحن میں بنے حوض کے اندر ڈال دیا۔ وہ موسم چونکہ بارشوں کا نہ تھالہذا حوض صرف کیچڑ سے بھرا ہوا تھا چنانچہ انہوں نے یرمیاہؑ کو کیچڑ میں دھنسا دیا[1]۔

ایک مدت بعد جب بنی اسرائیل بابل کی جلاوطنی سے واپس آئے تو حضرت زکریاہؑ کی سرعام شہادت اور ایزبل کے ہاتھوں ہونے والے انبیاء کرام علیہم السلام کے وحشیانہ قتل عام کو اسرائیل کے گمراہ بادشاہوں اور ان کے مشیروں کا جرم قرار دے دیا گیا جنہوں نے اسرائیل کو گمراہ کیا تھا اور ان واقعات کو بنی اسرائیل کے اسیری میں جانے کا سبب قرار دیا[2]۔

حضرت الیاس علیہ السلام (ایلیاہ نبی) نے ایزبل اور اخی اب کے افعال کو صراحتاً پوری قوم اسرائیل کا فعل قرار دیا تھا کیونکہ کسی بھی اسرائیلی نے اس ظلم کے خلاف آواز بلند نہیں کی۔ جیسا کہ کتاب مقدس میں مرقوم ہے۔

"خداوند کا کلام اس پر نازل ہوا کہ اے ایلیاہ! تو یہاں کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا خداوند لشکروں کے خدا کے لیے مجھے بڑی غیرت آئی کیونکہ بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا اور تیرے مذبحوں کو ڈھا دیا اور تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں[3]۔"

عہد نامہ جدید میں یسوعؑ مسیح یروشلم کے ارباب اقتدار اور خدا کے رسولوں کے مابین سخت تناؤ کو بیان کرتے ہیں۔

"اے یروشلیم! اَے یروشلیم! تُو جو نبیوں کو قتل کرتی اور جو تیرے پاس بھیجے گئے اُن کو سنگسار کرتی ہے۔ کتنی بار میں نے چاہا کہ جِس طرح مُرغی اپنے بچّوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اُسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لُوں مگر تُم نے نہ چاہا[4]۔"

عہد نامہ جدید حضرت زکریاہؑ کی شہادت اور حشمونیوں کے بنائے گئے یادگاری مقبرے کا بھی ذکر کرتا ہے جسے بعد میں ہیرودیوں نے تعمیر کروایا۔ عہد نامہ جدید اسرائیل کے تمام گمراہ بادشاہوں کو اُس ملامت میں شامل کرتا ہے جو یسوع یہودیوں پر کرتے ہیں کہ وہ نبیوں کی قبریں بناتے اور مقبرے آراستہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانے میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں شریک نہیں ہوتے۔ اس طرح سے وہ خود ہی اپنی بابت گواہی دیتے ہیں کہ وہ نبیوں کے قاتلوں کی اولادیں ہیں تو پھر تم بھلا کیسے جہنم کی سزا سے بچو گے؟ تمہارے پاس نبی اور دانا آتے ہیں مگر تم ان کو قتل کرتے ہو اور عبادت خانوں میں انہیں کوڑے مارتے ہو[5]۔

---

[1] یرمیاہ ۳۸:۴-۶
[2] نحمیاہ ۹:۲۶
[3] ۱-سلاطین ۱۹:۱۰
[4] متی ۲۳:۳۷
[5] متی ۲۳:۲۹-۳۶

قدیم مسیحی روایات کے مطابق یحییٰ علیہ السلام کے والد حضرت زکریاؑ کو اُس وقت شہید کیا گیا جب ہیرودیس کے حکم پر معصوم بچوں کا قتل عام جاری تھا۔ حضرت زکریاؑ نے اپنے بیٹے کو چھپا دیا تھا اور یہودیوں کے استفسار کرنے پر بھی انہیں جگہ کا نہیں بتایا تو انہیں شہید کر دیا گیا[1]۔

تاہم اس بارے میں کوئی تاریخی ثبوت دستیاب نہیں کہ ہیرودیس نے چھوٹے بچوں کے قتل عام کا کوئی حکم جاری کیا ہو االبتہ ایسے بہت سے افراد کا ذکر ملتا ہے جن کے قتل کے اس نے حکم نامے جاری کیے حتی کہ اپنے بیٹوں کو بھی اس نے قتل کروا دیا تھا۔ عہد نامہ جدید کے مطابق پیلاطوس گورنر نے یسوع کو صرف کوڑے مارنے کا حکم دیا تھا اور اپنے ہاتھ دھوتے ہوئے ان کے خون سے خود کو بری الذمہ قرار دیا جس پر ہجوم نے چلا کر کہا کہ اس کا خون ہم پر اور ہماری اولادوں کی گردن پر[2]۔ اس مقام پر فریسی سرے سے ہی غائب تھے لیکن صدوقیوں کے سردار کاہن، بزرگ یہودیوں کا ہجوم اس موقع پر بنی اسرائیل کی من حیث القوم نمائندگی ظاہر کر رہا تھا کہ وہ یسوعؑ کے خون کا الزام اپنے اوپر لینے کے لیے بھی تیار تھے۔ صدوقی اس معاملے میں اتنے متشدد تھے کہ انہوں نے اناجیل کے مطابق یسوع کو مبینہ طور پر سزا دلوانا چاہی مگر یسوع کے بعد انہوں نے یسوع کے بھائی مقدس یعقوب کے ساتھ بھی کوئی اچھا سلوک نہیں کیا بلکہ ان کو ہیکل کی چھت سے گرا کر مار ڈالا[3]۔ اناجیل اربعہ کے علاوہ مقدس پولس نے بھی اپنے خط میں لکھا ہے کہ یہودی انبیاء کرام کو قتل کرنے میں ماہر تھے[4]۔

عہد نامہ جدید کے معروف نبی جناب یوحنا اصطباغی (حضرت یحیٰی علیہ السلام) کو بھی شہید کیا گیا تھا تاہم انجیل نویسوں نے دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے اس معاملے کو ادومی النسل رومی حکمرانوں کی طرف موڑ دیا ہے۔ انجیل کے مطابق ہیرودیس اینٹی پاس نے حضرت یوحنا اصطباغیؑ کا سر قلم کروا دیا تھا کیونکہ اُس نے اپنے بھائی کی بیوی سے شادی کر لی تھی جس پر یوحنا اصطباغیؑ نے اُسے اِس بات پر ملامت کی اور سخت تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔

"ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے یوحنا کو پکڑ کر باندھا اور قید خانہ میں ڈال دیا تھا کیونکہ یوحنا نے اس سے کہا تھا کہ اِس کا رکھنا تجھے روا نہیں[5]۔"

---

[1]Hugh J. Schonfield, Jesus : Man, Mystic, Messiah (London: Open Gate, 2004), 37.

[2]متی ۲۷:۲۴-۲۵

[3]"CHURCH FATHERS: Church History, Book II (Eusebius)," accessed June 29, 2020, https://www.newadvent.org/fathers/250102.htm.

[4]۱- تھسلنکیوں ۲:۱۴

[5]متی ۱۴:۳-۴

ہیرودیاس ہیرودیس اعظم کی پوتی اور اُس کے بیٹے ارسطوبولس چہارم کی بیٹی تھی۔ ہیرودیاس نے اپنے چچا فلپس سے شادی کر لی تھی۔ ایک دفعہ فلپس کا بھائی اور ہیرودیس اعظم کا بیٹا اینٹی پاس اس سے ملنے گیا تو ہیرودیاس پر فریفتہ ہو گیا۔ اُس نے ہیرودیاس کو راضی کیا کہ وہ ہیرودیس فلپس کو چھوڑ کر مجھ سے شادی کر لے چنانچہ ہیرودیاس نے اپنے دوسرے چچا اینٹی پاس سے شادی کر لی۔ شریعت موسوی کے مطابق کوئی بھی مرد اپنے بھائی کے جیتے جی اُس کی بیوہ سے شادی نہیں کر سکتا تھا جو ایسا کرتا تو اسے مثلِ زنا سمجھا جاتا تھا۔[1] اِس بات پر یوحنا بپتسمہ دینے والے نے اینٹی پاس کی مذمت کی تو اینٹی پاس نے انہیں قید خانے میں ڈال دیا[2]۔

ہیرودیس اعظم کی تیسری بیوی مریم دوم سے پیدا ہونے والی بیٹی سلومی سوم کے شوہر کا نام فلپس تھا۔ مگر انجیل نویس اِس فلپ کو ہیرودیاس کا شوہر بتاتا ہے جو تاریخی حقیقت کے خلاف ہے۔ عہد نامہ جدید کے کچھ مفسرین نے یہاں یہ توجیح نکالنے کی کوشش کی ہے کہ ہیرودیاس کے شوہر ہیرودیس کا خاندانی نام فلپس تھا[3] تاہم اس بات کا ٹھوس ثبوت نہ ہونے کی صورت میں اِس تاویل پر یقین کرنا خود کو دھوکہ دینے کے ماسوا کچھ نہیں۔

اس سارے معاملے میں سب سے اہم بات اینٹی پاس کا اپنی سگی بھتیجی سے شادی کرنا ہے جو اخلاقی و معاشرتی لحاظ سے نہایت گری ہوئی حرکت تھی مگر حیرت انگیز طور پر انجیل میں حضرت یوحنا اصطباغی کا ایسا کوئی بیان نہیں ملتا جس میں انہوں نے اِس فعل قبیح پر ہیرودیس اینٹی پاس کو ملامت کا نشانہ بنایا ہو۔ اس کے برعکس وہ اینٹی پاس کے اس فعل پر تنقید کرتے ہیں کہ اُس نے اپنے بھائی کے جیتے جی اُس کی بیوی کو اپنے پاس رکھ لیا حالانکہ اینٹی پاس تو بت پرست تھا جسے شریعت موسوی سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ ایسے میں یہ ممکن ہی نہیں کہ حضرت یوحنا اصطباغی کسی ایسے شخص پر خلاف شریعت فعل کا الزام لگائیں جو شریعت کو قبول ہی نہیں کرتا۔ عین ممکن ہے کہ حضرت یوحنا اصطباغیؑ نے اُسے بھتیجی سے شادی کرنے پر ملامت کی ہو جسے انجیل نویسوں نے بھائی کی بیوی سے شادی پر تنقید بنا کر پیش کر دیا۔ اس ساری تاریخی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو اینٹی پاس کے پاس حضرت یوحنا اصطباغی کو گرفتار کرنے اور ناحق قتل کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں بنتا چنانچہ اس صورت حال میں اِس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت یوحنا اصطباغی کا خونِ ناحق بھی یہودیوں نے ہی کیا ہو مگر انجیل نویسوں نے اسے کچھ اور رنگ دے کر پیش کر دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کے متعلق دیگر تاریخی ماخذات خاموش ہیں۔ صرف عہد نامہ جدید ہی ہے جو ان کی

---

[1] تو اپنی بھاوج کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بھائی کا بدن ہے۔ (احبار ۱۸:۱۶) اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی بیوی کو رکھے تو یہ نجاست ہے۔ اس نے اپنے بھائی کے بدن کو بے پردہ کیا۔ وہ لاولد رہیں گے۔ (احبار ۲۰:۲۱)

[2] کتاب مقدس مطالعاتی اشاعت، ص ۱۷۶۷

[3] فادر عمانوئیل عاصی، بنی اسرائیل کی تاریخ (گوجرانوالہ: مکتبہ عناویم پاکستان، 2013)، ص ۹۵، ۱۰۱۔

مظلومانہ شہادت کو ایک افسانوی رنگ دے کر پیش کرتا ہے تاہم اِس پورے افسانے کی تاریخی حیثیت نہایت مشکوک اور اختراعی ہے جس وجہ سے انجیلی بیانیہ ناقابل قبول بن جاتا ہے۔

بائبلی اور رِبائی روایات کے مطابق حضرت زکریاؑ کو یوآس بادشاہ نے، اوریاہ بن سمعیاہ کو یہویاقیم نے قتل کیا جبکہ یسعیاہؑ نبی کو منسی بادشاہ کے حکم پر شہید کیا گیا[1]۔ ایک قدیم مسیحی کتاب ("The Book of the Bee ۱۲۲۲ء") متعدد ایسے نبیوں کا ذکر کرتی ہے جنہیں یہودیوں نے قتل کیا۔ میکاہؑ نبی کو یہورام بادشاہ نے، عاموس کو بیت ایل کے کاہن نے شہید کیا۔ اس کے علاوہ یرمیاہؑ نبی کو یہودیوں کے سردار نے سنگسار کرکے، حبقوق نبیؑ کو یروشلم کے یہودیوں نے سنگسار کرکے اور حزقیلؑ نبی کو بابل میں یہودیوں کے سردار نے شہید کیا۔

[11]Babylonian Talmud, Yevamot 49b

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی سیدنا محمد الفاتح لما اغلق و خاتم لما سبق ناصر الحق بالحق و الھادی الی صراطك المستقیم وعلی الہ حق قدرہ و المقدارہ العظیم

امابعد: قال تعالی فی محکم آیاتہ؛ق

﴿هَلۡ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن تَأۡتِيَهُمُ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ أَوۡ يَأۡتِيَ رَبُّكَ أَوۡ يَأۡتِيَ بَعۡضُ ءَايَٰتِ رَبِّكَۗ يَوۡمَ يَأۡتِي بَعۡضُ ءَايَٰتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفۡسًا إِيمَٰنُهَا لَمۡ تَكُنۡ ءَامَنَتۡ مِن قَبۡلُ أَوۡ كَسَبَتۡ فِيٓ إِيمَٰنِهَا خَيۡرٗاۗ قُلِ ٱنتَظِرُوٓاْ إِنَّا مُنتَظِرُونَ﴾[2]

ترجمہ: کیا یہ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئے یا تمہارا رب ائے یا تمہارے رب کی کچھ نشانیاں ائے جس دن تمہارے رب کی کچھ نشانیاں ائے گی اس دن نفس کو ایمان لانے کا کچھ فائدہ ناہوں گا گرچے وہ پہلے سے ایمان نالائے ہو یا کہ خیر کمائے ہوئے ہو اپنے ایمان میں کہے دیجئے(آپ صل اللہ علیہ وسلم) انتظار کرو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

عمر امۃ کے متعلق جب بھی پوچھا جاتا ہے تو سب سے پہلے صحیح بخاري کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کی یہ حدیث امت محمد ﷺ کی دنیا میں مدت بقاء کا تعین کرتی ہے آپ صل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّما بَقاؤُكُمْ فِيما سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الأُمَمِ كما بيْنَ صَلاةِ العَصْرِ إلى غُرُوبِ الشَّمْسِ، أُوتِيَ أهْلُ التَّوْراةِ التَّوْراةَ، فَعَمِلُوا حتَّى إذا انْتَصَفَ النَّهارُ عَجَزُوا، فَأُعْطُوا قِيراطًا قِيراطًا، ثُمَّ أُوتِيَ أهْلُ الإنْجِيلِ الإنْجِيلَ، فَعَمِلُوا إلى صَلاةِ العَصْرِ، ثُمَّ عَجَزُوا، فَأُعْطُوا قِيراطًا قِيراطًا، ثُمَّ أُوتِينا القُرْآنَ، فَعَمِلْنا إلى غُرُوبِ الشَّمْسِ، فَأُعْطِينا قِيراطَيْنِ قِيراطَيْنِ، فقالَ: أهْلُ الكِتابَيْنِ: أيْ رَبَّنا،

[1] فاروق رضا التیجانی۔ سعودی عرب

[2] سورۃ الانعام:158

أَعْطَيْتَ هَؤُلَاءِ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، وأَعْطَيْتَنَا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ونَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا؟ قالَ: قالَ اللَّهُ عزَّ وجلَّ: هلْ ظَلَمْتُكُمْ مِن أَجْرِكُمْ مِن شيءٍ؟ قالوا: لَا، قالَ: فَهو فَضْلِي أُوتِيهِ مَن أَشَاءُ[1].

ترجمہ: تمہارا (اس دنیا میں) رکنا اسی پر ہی ہوں گا جس پر تم سے پہلی والی امتیں عمل پیرا رہی (یعنی اپنی شریعت پر) کہ جس طرح نماز عصر سے غروب شمس تک، اہل تورات ائے تورات لیکر پہر انہوں نے اس پر کام کیا یہاں تک آدھے دن تک روک گے تو انکو قیراط قیراط (چنے کہ برابر دانے کا وزن ہے) دیا گیا پہر اہل انجیل انجیل لیکر آئے تو انہوں نے عصر تک کام کیا تو انکو قیراط قیراط دیا گیا پہر ہم اہل قرآن ائے تو ہم نے غروب شمس تک کام کیا تو ہمیں دو دو قیراطتیں دی گی تو دونوں اہل کتاب نے کہا اے ہمارے رب تو نے انکو دو دو قیراطتیں عطا کی اور ہمیں ایک ایک قیراط دی جب کے ہم نے ان سے زیادہ کام کیا آپ صل اللہ فرمایا کہ اللہ تعالی فرمائے گے کیا میں کسی چیز میں تم پر تمہارے اجر نے میں ظلم کیا تو کہے گے نہیں تو اللہ تعالی فرمائے گے پہر وہ میرا فضل ہے جسے چاہوں عطا کروں۔

اس حدیث شریف سے دو باتیں ثابت ہوتی ہے

ایک: امت محمد ﷺ آخری امت ہے اور آپ صل اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہے۔

دوم: اس امت کو وقت (زمانہ) پچھلی امتوں کہ مقابلے میں بہت کم ملا ہے یعنی اگر موازنہ کیا جائے سارے دن کا (صبح طلوع آفتاب سے لیکر غروب آفتاب تک) تو عصر سے لیکن مغرب تک کا وقفہ کل دن کے ایک چوتھائی کے آدھا حصہ سے بھی کچھ کم معلوم ہوتا ہے۔ اور سب سے اہم بات اس حدیث شریف میں یہ ہے کہ جس کام کہ لئے اللہ تعالی نے بني نوع انسان کو تخلیق کیا اس کہ لئے ایک خاص وقت مقرر کر دیا ہے (اس مقرر کردہ وقت کے خاتمہ کے بعد پہر کسی کام پر آجر نہیں دیا جائے گا۔ إلا أن يشاء الله) اور اس مقرر کردہ وقت کہ خاتمہ کی اطلاع احادیث نبوي اور قرآن کی سورۃ الانعام کی آیت 158 میں سنا دی گئی ہے

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور توبے کے دروازے کا بند ہو جانا اس خبر کی دلیل ہے کہ وقت اب ختم ہو گیا ہے

بخاری شریف میں صحیح حدیث ہے

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، حَدَّثَنَا عُمَارَةُ، حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا، فَإِذَا رَآهَا النَّاسُ آمَنَ مَنْ عَلَيْهَا، فَذَاكَ حِينَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا، لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ[2]

---

1 أخرجه مسلم 867: فتح الباري لابن رجب (4/333-335) مختصراً.

2 تفسير القرآن العظيم (تفسیر ابن کثیر) - ج6: ص ۲۲۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی، جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو لے۔ جب لوگ اسے دیکھیں گے تو ایمان لائیں گے لیکن یہ وقت ہو گا جب کسی شخص کو اس کا ایمانا کوئی نفع نہ دے گا جو پہلے سے ایمان نہ رکھتا ہو۔

دوسری حدیث صحیح مسلم کی ہے :

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ ، وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ، حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا[1]

بے شک اللہ عزوجل رات کے پہر اپنے ہاتھوں کو پہلا دیتا ہے کہ دن گناہ گار رات کو توبہ کرلے اور دن کو اپنے ہاتھوں کو پہلا دیتا ہے کہ رات کا گناہ گار دن کو توبہ کرنے لے یہاں کے سورج مغرب سے نکل ائے

ثَلاثٌ إِذا خَرَجْنَ لا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمانُها لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ، أَوْ كَسَبَتْ فى إِيمانِها خَيْرًا: طُلُوعُ الشَّمْسِ مِن مَغْرِبِها، والدَّجَّالُ، ودابَّةُ الأرْضِ[2].

تین ایات اگر سامنے اگئی تو پہر ایمان کا لانے کا کوئی فائدہ نا ہوں گا اگر اسے پہلے ایمان نا لائے ہو یا کہ اس ایمان میں خیر نا کمالو سورج کا مغرب سے نکلنا اور دجال اور زمین سے چوپایے کا نکلنا۔

سورۃ الانعام کی آیت 158 اور احادیث شریفہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب سورج مغرب سے طلوع ہوں گا تب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا،

علامات الکبری کی پہلی نشانی :

بعض مفسریں نے دجال کے خروج کو پہل بتایا بعض نے دخان کو اور بعض نے سورج کا مغرب سے طلوع ہونے کو لیکن یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر دجال کا خروج پہلے ہو تو ایمان لانے کی بات اپنی منطق پر قدرے غیر مثبت لگتی ہے کیونکہ قرآن کی سورۃ الانعام کی آیت 158 میں سے یہ استدلال ملتا ہے کہ لوگ پہر ان نشانیوں کو پا کر ایمان لے آئے گے (غالبا اس بات پر کہ قیامت اب قریب آگئی ہے) جب کے اس وقت انکا توبہ کرنا یا ایمان لانا قبول نہیں ہوں گا اور دجال پر تمام وہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ 70 ہزار یہودی دجال کے پیروکار ہوں گے یعنی اہل کتاب میں اکثریت دجال کی پیروکاری کرے گی علاوہ اس کے جن کے ایمان کمزور ہوں گے وہ بھی دجال کی پیروی کرے گے دیگر یہ کے خروج دجال اور عیسی ابن مریم علیہ سلام کے نزول میں 40 دن کا وقفہ ہے اور یہ وقفہ گویا کے 14 ماہ کا ہوں گا (حسب ترتیب اوقات نماز) لہذا

---

1 صحیح مسلم: كِتَابِ التَّوْبَةِ: بَابُ قَبُولِ التَّوْبَةِ مِنَ الذُّنُوبِ وَإِنْ تَكَرَّرَتِ الذُّنُوبُ وَالتَّوْبَةُ: حدیث رقم 5083

2 صحیح مسلم: كِتَابُ الْإِيمَانَ: بَابُ بَيَانِ الزَّمَنِ الَّذِي لَا يُقْبَلُ فِيهِ الْإِيمَانُ: حدیث رقم 259

تمام لوگوں کا ایمان لانا دجال کے خروج پر حتما یہ دلیل نہیں ٹھیرتی، لہذا اہم یہ کہے سکتے ہے کہ قیامت کی دس بڑی نشانیوں میں سب سے پہلی نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا قرآن واحادیث اور منطقی دلیل سے ثابت ہوتا ہے اس کے بعد دیگر نشانیاں ظاہر ہوں

مسلم شریف کی یہ حدیث جو صحیح کے درجے پر فائز ہے اس بات کا پتا دیتی ہے کہ کس نشانی کو سب سے پہلے ظاہر ہونا ہے، حدیث ہے:

إنَّ أوَّلَ الآياتِ خُرُوجًا، طُلُوعُ الشَّمْسِ مِن مَغْرِبِها، وخُرُوجُ الدَّابَّةِ علَى النَّاسِ ضُحًى، وأَيُّهُما ما كانَتْ قَبْلَ صاحِبَتِها، فالأُخْرَى علَى إثْرِها قَرِيبًا.

ترجمہ: نشانیاں میں سے جو سب سے پہلے سامنے آئے گی وہ ہوں گی سورج کا مغرب سے نکلنا اور زمین سے چوپایے کا نکلنا لوگوں کے سامنے دن کے وقت اور ان میں جو پہلے ظاہر ہو دوسری اس کے پیچھے آجائے گی قریبا۔

اور بیان کی گی سورۃ الانعام کی ایت اور احادیث کو مد نظر رکھے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ سورج کا نکلنا علامات الکبری کی پہلی نشانی ہے جس پر باب توبہ بند ہو جائے گا اور وہ مہلت ختم ہو جائے گی جس کی گزارش حضور اکرم صل اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے حضور اپنی امت کہ لئے کی رکھی ہے

ابی داود کی صحیح حدیث ہے

إنِّي لأرجو، ألَّا تعجزَ أمَّتي عندَ ربِّها أن يُؤخِّرَهم نصفَ يومٍ. قيل لسعدٍ: وكم نصفُ ذلك اليومِ؟ قال: خمسُمائةِ سنةٍ

ترجمہ: میں گزارش ہوں کہ میری امت اس پر عاجز نا ہو اپنے رب کے پاس کہ اسے ادھے دن کی تاخیر دی جائے۔ سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اور کتنا ادھا دن ہے وہ اپ نے جواب دیا پانچ سو برس۔

اس کی تشریح پر علماء کرام کی دو رائے ہے علماء کا ایک گروہ اس حدیث کو روز محشر پر محمول کرتا ہے جبکہ دوسرا گروہ اسے روز محشر سے قبل پر یعنی مدت دین اسلام پر کے اسلام بطور دین کتنی عرصہ اس دنیا میں باقی رہے گا (یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ اسے قطعا یہ مراد نہیں لیا جا سکتا کے مسلمانوں کا وجود اس مدت کے خاتمے تک ختم ہو جائے گا اس بات کو ہم اگے بیان کرے)، جس گروہ نے اسے روز محشر پر محمول کیا ہے انکی یہ بات اس حدیث کی تعارض میں آجاتی ہے جس میں نبی کریم صل اللہ علیہ وسلم نے صراحت سے فرمایا کہ قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کا ہوں گا مسلم شریف کی ایک طویل حدیث ہے درجہ صحیح پر

حديث أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

"امِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ، فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ، فَيُكْوَى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِينُهُ وَظَهْرُهُ، كُلَّمَا بَرَدَتْ أُعِيدَتْ لَهُ، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرَى سَبِيلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بھی خزانے کا مالک نہیں جو اس کی زکاۃ ادا نہیں کرتا، مگر اس کے خزانے کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کی تختیاں بنائی جائیں گی اور ان سے اس کے دونوں پہلوؤں اور پیشانی کو داغا جائے گا حتیٰ کہ اللہ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمادے گا، (یہ) اس دن میں ہو گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے، پھر اسے جنت یا جہنم کی طرف اس کا راستہ دکھادیا جائے گا۔

لہذا سنن ابی داود میں سعد بن ابی وقاص سے مروی حدیث کہ جس میں امت کے لئے تاخیر طلب کی گی ہے وہ بطور مہلت ہی مراد لیا جائے گا اور وہ یقینا باب توبہ ہے ورنہ کوئی غرض نہیں کہ کے قیامت سے پہلے کسی بات کی تاخیر کیجائے۔

قرآن شریف میں مہلت کہ حوالے سے سورۃ الاعراف کی آیت رقم 34 یہ دلیل ہے کہ کسی صورت تاخیر نا کی جائے گی اگرچہ وقت آپہنچے کسی گروہ کہ لئے

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ[1]

ترجمہ: اور ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے تو جب ان کا وعدہ آئے گا ایک گھڑی نہ پیچھے ہو نہ آگے،

پر یہاں پر نبی کریم صل اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے لئے مہلت طلب کرنا بطور شفیق ورحیم کے اللہ تعالی کے پاس آپکی قرب منزلت کا پتا دیتا ہے، اور معلوم رہے کہ یہ مہلت اب قریبا ختم ہونے کو ہے، حدیث میں خاص طور پر نصف یوم کا ذکر ہے اور اس کی وضاحت بھی کردی گی کہ اس نصف یوم سے مراد پانچ سو برس ہے، یہ ادھے دن کی مہلت یعنی پانچ سو برس وہ اضافی وقت ہے جسے پہلے یقینا ایک دن پورا مکمل ہو چکا ہو، لہذا ہم یہ بڑی آسانی سے کہے سکتے ہے کہ دین اسلام کا کل وقت 1500 سو برس ہے۔

(اسے مراد باب توبہ کیونکہ اسلام ہی باب توبہ ہے بشریت کے لئے باب توبہ کا بند ہو جانا اسلام کا دروازہ بند ہو جانا ہے)

آج ہم 1441 ھجری میں ہے باقیے مدت 56 سال رہے گی ہے اس میں 3 سال کی کمی حسب تنازل ھجری ایام کے ہے، الغرض ان آحادیث کی روشنی میں یہ بات اظہر من شمس معلوم ہو جاتی ہے کہ "اول آلایہ من علامات الکبری "یعنی پہلی نشانی علامات الکبری میں سورج کا مغرب سے نکلنا ہوں گا یہ واقعہ اول محرم الحرام کی پہلی تاریخ سنہ 1500 ھجری میں وقوع پذیر ہوں گا اور وہ دن جمعہ مبارک ہوں گا۔

ایک بات جو قابل غور ہے کہ ھجری تاریخ کا اجراء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا بعض صاحبہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے مشاورت کے یہ تجاویز سامنے آئی کہ حضور اکرم صل اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اور کسی نے آپ کی ولادت باسعادت سے اس کے اجراء کا مشورہ دیا، لیکن مدینہ العلم حضرت علی کرم وجہ نے ہجرت سے تاریخ کا اجراء کرنے کی تجویز دی یقینا آپ رضی اللہ عنہ کے پاس اس کی کوئی خاص حجت ہوں گی لیکن یہاں سوال یہ آتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص سے مروی ابی داود کی حدیث کو ہم نے کیوں ہجری تاریخ سے منسوب کیا اور بعثت سے منسوب

---

[1] سورۃ الاعراف 34

نہیں کیا تو اس جواب ہے بعثت کے کل 13 سال بعد ھجرت کا واقعہ ہوا اب اگر ہم بعثت سے اس حدیث کو منسلک کر کے یعنی پانچ سو برس تو پھر یہ حدیث درست تاریخ پیش نہیں کرے گی کیونکہ سب سے پہلی علامت سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے یعنی باب توبہ کا بند ہونا اور اس کے بعد دیگر علامتوں کا ظاہر ہونا تاریخی طور پر درست حساب نہیں دے گا آگر اس حدیث کو بعثت سے لے یا حضور پاک ﷺ کی پیدائش سے لے تو یقینا پھر واضح فرق نکل آئے گا پانچ سو برس کے حساب میں اور اس طرح سوال بن جائے گا اصحاب ﷺ کی تاریخ کی ترتیب پر۔

صحیح ابن حبان کی حدیث ابو ھریرہ سے مروی ہے نشانیاں اس طرح سے ظاہر ہوں گی جیسے موتیوں کی مالا ٹوٹ جائے

خُروجُ الآیاتِ بعضُھا علی بعضٍ تتابَعْنَ کماتتتابَعُ الخَرَزُ

دجال کے خروج سے پہلے تین سال شدید قحط کے ہوں گے

سنن ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک الحاکم سے حدیث ہے

عن أبي أمامة أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال "إن قبل خروج الدجال ثلاث سنوات شداد، يصيب الناس فيها جوع شديد، يأمر الله السماء في السنة الأولى أن تحبس ثلث مطرها، ويأمر الأرض أن تحبس ثلث نباتها، ثم يأمر السماء في السنة الثانية فتحبس ثلثي مطرها، ويأمر الأرض فتحبس ثلثي نباتها، ثم يأمر السماء في السنة الثالثة فتحبس مطرها كله، فلا تقطر قطرة، ويأمر الأرض فتحبس نباتها كله، فلا تنبت خضراء، فلا يبقى ذات ظلف إلا هلكت، إلا ما شاء الله، قيل: فما يعيش الناس في ذلك الزمان؟ قال: التهليل والتكبير، والتحميد، ويجزء ذلك عليهم مجزأة الطعام" وصححه الألباني في صحيح الجامع

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا دجال کے خروج سے پہلے تین سال انتہائی سخت ہے، جس میں شدید بھوک ہوں گی (یعنی قحط) پہلے سال اللہ تعالی آسمان کو حکم کرے گا کہ وہ ایک تھائی برسات روک دے اور زمین کو کھے گا کہ ایک تہائی اناج نا اگائے، پھر دوسرے سال کہے گا کہ ایک تہائی برسات روک دے (یعنی مزید ایک تہائی برسات روک دی جائے گی) اور زمین سے کھے گا کہ ایک تھائی اناج نا اگائے اور جب تیسرا سال ہوں گا (اسی میں دجال خارج ہوں گا) آسمان مکمل برسات روک دے گی اور زمین مکمل اناج نہیں اگائے گی پھر کوئی چرند باقی نہیں رہے گا سوائے اس کے جسے اللہ رکھے، پوچھا گیا پھر کیسے لوگ زندہ رہے گے اس زمانے میں آپ ﷺ نے فرمایا التھلیل و تکبیر و تحمید سے ان پر انکو بدلے میں کھانا ملے گا (یعنی ان تسابیح سے وشیر و شکم ہوں گے)۔

ہجری 1/1/1500 : پندرہ سو ہجری پہلی تاریخ محرم الحرام جمعہ کا دن باب توبہ بند ہو جانے گا اس کہ بعد شدید قحط کے سالی کا دور شروع ہو جائے گا پہلے سال ایک تھائی قحط پڑے گا دوسرے سال ایک تھائی مزید بڑھ جائے گا پھر تیسرے سال مکمل قحط ہوں گا اور اسی میں دجال کا خروج ہوں گا کیونکہ دجال اپنے ساتھ روٹی اور پانی لیکر چلے گا لوگ اس بھوک اور شدید بدحالی میں دجال کے فتنے کا شکار ہو جائے گے (اللہ تعالی ہمیں اور ہمارے اہل وعیال اور انکے آنے والی نسلوں کو دجال کے فتنے سے محفوظ رکھے آمین)

ہجری 1502/1/1 : سن پندرہ سو دو ہجری محرم کی پہلی تاریخ بروز اتوار دجال مشرق کی جانب اصفہان سے نکلے گا۔

مسند آحمد کی صحیح حدیث ہے:

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ رضی الله عنه اَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم :(يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِيْ خَفْقَةٍ مِّنَ الدِّيْنِ وَإِدْبَارٍ مِنَ الْعِلْمِ، فَلَهُ اَرْبَعُوْنَ لَيْلَةً يَسِيْحُهَا فِي الْاَرْضِ، اَلْيَوْمُ مِنْهَا كَالسَّنَةِ وَالْيَوْمُ مِنْهَا كَالشَّهْرِ وَالْيَوْمُ مِنْهَا كَالْجُمُعَةِ ثُمَّ سَائِرُ اَيَّامِهِ كَاَيَّامِكُمْ هٰذِهِ۔)

ترجمہ: سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دجال اس وقت نکلے گا، جب دین کمزور ہو جائے گا اور علم اٹھ جائے گا، اس وقت دجال کا ظہور ہو گا، وہ چالیس دنوں تک ٹھہرے گا، ان میں سے ایک دن ایک سال کے، ایک دن ایک مہینے کے اور ایک دن ایک ہفتے کے برابر ہو گا اور باقی دن عام دنوں کی طرح ہوں گے۔

سنن ابي داود سے درجہ صحیح پر حدیث ہے

حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ صَالِحٍ الدِّمَشْقِيُّ الْمُؤَذِّنُ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ، حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ جَابِرٍ الطَّائِيُّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ الْكِلَابِيِّ، قَالَ: ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَّالَ، فَقَالَ: إِنْ يَخْرُجْ وَأَنَا فِيكُمْ فَأَنَا حَجِيجُهُ دُونَكُمْ، وَإِنْ يَخْرُجْ وَلَسْتُ فِيكُمْ فَامْرُؤٌ حَجِيجُ نَفْسِهِ، وَاللَّهُ خَلِيفَتِي عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ أَدْرَكَهُ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُورَةِ الْكَهْفِ فَإِنَّهَا جِوَارُكُمْ مِنْ فِتْنَتِهِ، قُلْنَا: وَمَا لَبْثُهُ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ: أَرْبَعُونَ يَوْمًا: يَوْمٌ كَسَنَةٍ، وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ، وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ، وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا الْيَوْمُ الَّذِي كَسَنَةٍ أَتَكْفِينَا فِيهِ صَلَاةُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، قَالَ: لَا اقْدُرُوا لَهُ قَدْرَهُ ثُمَّ يَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ فَيُدْرِكُهُ عِنْدَ بَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلُهُ

.ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا تو فرمایا: اگر وہ ظاہر ہوا اور میں تم میں موجود رہا تو تمہارے بجائے میں اس سے جھگڑوں گا، اور اگر وہ ظاہر ہوا اور میں تم میں نہیں رہا تو آدمی خود اس سے نپٹے گا، اور اللہ ہی ہر مسلمان کے لیے میرا خلیفہ ہے، پس تم میں سے جو اس کو پائے تو اس پر سورۃ الکہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے کیونکہ یہ تمہیں اس کے فتنے سے بچائیں گی۔ ہم نے عرض کیا: وہ کتنے دنوں تک زمین پر رہے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چالیس دن تک، اس کا ایک دن ایک سال کے برابر ہو گا، اور ایک دن ایک مہینہ کے، اور ایک دن ایک ہفتہ کے، اور باقی دن تمہارے اور دنوں کی طرح ہوں گے۔ تو ہم نے پوچھا: اللہ کے رسول! جو دن ایک سال کے برابر ہو گا، کیا اس میں ایک دن اور رات کی نماز ہمارے لیے کافی ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، تم اس دن اندازہ کر لینا، اور اسی حساب سے نماز پڑھنا، پھر عیسیٰ بن مریمؑ دمشق کے مشرق میں سفید منارہ کے پاس اتریں گے، اور اسے (یعنی دجال کو) باب لد کے پاس پائیں گے اور وہیں اسے قتل کر دیں گے۔

جیسا کے احادیث صحیحہ سے یہ بات معلوم ہے کے دجال زمین پر 40 دن رہے گا، سنہ 1502 ہجری محرم الحرام کی پہلی تاریخ بروز اتوار سے دجال کا پہلا دن شروع ہوں گا جو ایک سال پر مبنی ہوں پھر دوسرا دن ایک ماہ پر پھر تیسرا دن ایک ہفتہ پر اور باقی ایام عام دنوں کی طرح ہوں

گے اس طرح سے حساب کیا جائے تو کل 14 ماہ دجال اپنے ظہور کے دن گزارے گا اور 11 ربیع اول دن بروز جمعرات کے دجال اپنے چالیس دن مکمل کرلے گا۔

سنہ 1503 ھجری 12 ربیع اول بروز جمعہ سیدنا عیسی علیہ سلام نزول فرمائے گے، بخاری شریف کی حدیث ہے

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا، فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ، وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ، وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ زمانہ آنے والا ہے جب ابن مریم (عیسیٰ علیہ السلام) تم میں ایک عادل اور منصف حاکم کی حیثیت سے اتریں گے۔ وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے، سوروں کو مار ڈالیں گے اور جزیہ کو ختم کر دیں گے۔ اس وقت مال کی اتنی زیادتی ہو گی کہ کوئی لینے والا نہ رہے گا۔

ایک اور حدیث صحیح بخاری میں ہے

حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ، تَابَعَهُ عُقَيْلٌ وَالْأَوْزَاعِيُّ.

ترجمہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تمہارا اس وقت کیا حال ہو گا جب عیسیٰ ابن مریم تم میں اتریں گے (تم نماز پڑھ رہے ہو گے) اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہو گا۔" اس روایت کی متابعت عقیل اور اوزاعی نے کی۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ سیدنا عیسیٰؑ کا نزول اور سورج کا مغرب سے نکلنا جمعہ کے دن ہی وقوع ہونا معلوم ہوتا ہے، بخاری شریف کی حدیث سے یہ بات اجتہاداً سمجھ میں آتی ہے کہ جس دن یہ دین مکمل ہوا تھا وہ دن جمعہ کا تھا اور جس دن اس دین کا دروازہ بند ہوں گا وہ بھی جمعہ کا ہی ہوں گا۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ، سَمِعَ جَعْفَرَ بْنَ عَوْنٍ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعُمَيْسِ، أَخْبَرَنَا قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ، قَالَ لَهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، آيَةٌ فِي كِتَابِكُمْ تَقْرَءُونَهَا لَوْ عَلَيْنَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ نَزَلَتْ لَاتَّخَذْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ عِيدًا، قَالَ: أَيُّ آيَةٍ؟ قَالَ: الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا سورة المائدة آية 3، قَالَ عُمَرُ: قَدْ عَرَفْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ وَالْمَكَانَ الَّذِي نَزَلَتْ فِيهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ.

ایک یہودی نے ان سے کہا کہ اے امیر المؤمنین! تمہاری کتاب (قرآن) میں ایک آیت ہے جسے تم پڑھتے ہو۔ اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس (کے نزول کے) دن کو یوم عید بنالیتے۔ آپ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ اس نے جواب دیا (سورۃ المائدہ کی یہ آیت کہ) ”آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا“ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم اس دن اور اس مقام کو (خوب) جانتے ہیں جب یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی (اس وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں جمعہ کے دن کھڑے ہوئے تھے۔

قرآن کریم نزول عیسی ابن مریم کے متعلق اس طرح سے ذکر ملتا ہے

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ [1]

ترجمہ: اور یقیناً عیسیٰؑ قیامت کی علامت ہے پس تم (قیامت) کے بارے میں شک نہ کرو اور میری تابعداری کرو یہی سیدھی راہ ہے۔

ایک اور آیت آپ کی شان نزول میں ہے:

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا [2]

ترجمہ:

اور یقیناً اہل کتاب میں ایسا کوئی نا رہے گا جو انکی (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لایا ہو اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہونگے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جب باب توبہ بند ہو چکا ہوں گا لیکن باوجود اہل کتاب کا ایمان لانا کوئی سود مند نہیں رہے گا (یہاں ایمان لانا اس بات پر ہوں گا کہ وہ صرف اللہ کے سچے نبی ہے نا کے بیٹے) اس پر سیدنا عیسی ابن مریم علیہ سلام انکے ایمان پر بروز محشر گواہ ہوں گے انکی گواہی اور انکا اللہ تعالی سے حجت کرنا اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ حضرت عیسی ابن مریم علیہما سلام قیامت سے پہلے دوبارہ تشریف لائے گے اور اہل کتاب کا ایمان لانا باب توبہ کے بند ہو جانے کے بعد ہی ہوں گا کیونکہ انبیاء علیہم سلام کہ لئے قطعا جائز نہیں کہ وہ مشرکوں اور کافروں کے لئے اللہ تعالی سے حجت کرے یا انکے استغفار کرے

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَن يَسْتَغْفِرُوا۟ لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓا۟ أُو۟لِى قُرْبَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَٰبُ ٱلْجَحِيمِ [3]

ترجمہ:

---

[1] سورۃ الزخرف 61

[2] سورۃ النساء 159

[3] سورۃ التوبہ 113

پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔

اور اگر ایسا ہو کہ حضرت عیسی ابن مریم علیہا سلام انکے لئے اللہ تعالی سے حجت کرے جنہوں انکو انکے آسمان پر اٹھائے جانے کہ بعد انکو بعوذ باللہ اللہ کا بیٹا بنا دیا تھا تو پھر یہ کہا جائے گا کہ صرف عیسی ابن مریم ہی کیوں باقی انبیاء کرام بھی اپنی اپنی قوم کہ لئے ایسی ہی حجت پیش کرے جیسے حضرت عیسی ابن مریم علیہا سلام نے اللہ کے حضور کرے گے اور اگر ایسا ہو تو پھر اس طرح سے ایمان وعقیدہ پر سے سزا و جزا کا تصور ہی ختم ہو کر رہے جاتا ہے اور یہ دلیل طمانچہ کے طور پر قادیانی مرزائی اور ان لوگوں پر ہے جو حضرت عیسی ابن مریم علہیما سلام کے دوبارہ اس دنیا میں آنے کے منکر ہے، قرآن پاک نے اس قضیہ کا یوں حل بیان کیا ہے، سورۃ المائدہ کی آیات 116، 117، 118 اور 119 سے

وَاِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِىۡ وَاُمِّىَ اِلٰهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ‌ ؕ قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَـيۡسَ لِىۡ بِحَقٍّ ؕ ؔ اِنۡ كُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ‌ ؕ تَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِىۡ وَلَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِكَ‌ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ‏۔

اور جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنالو اللہ کے سوا عرض کرے گے، پاکی ہے تیری ذات مجھے روا نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے نہیں ہے حق اگر میں نے ایسا کہا ہو تا تو تجھے ضرور معلوم ہو گا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے، بیشک تو ہی ہے سب غیبوں کا خوب جاننے والا۔ پھر فرمائے گے

مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِىۡ بِهٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبَّكُمۡ‌ ۚ وَكُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا مَّا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ‌ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ‌ ؕ وَاَنۡتَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ

ترجمہ:

میں نے ان سے کچھ نا کہا سوا اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب اور تمہارا بھی رب اور میں ان پر گواہ تھا جب تک ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا، اور تو ہر شے پر گواہ ہے۔

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ‌ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ

ترجمہ:

اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں، اور اگر تو انکو بخش دے تو بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

اس حجت پر اللہ تعالی فرمائے گا

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوۡمُ يَـنۡفَعُ الصّٰدِقِيۡنَ صِدۡقُهُمۡ‌ ؕ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا‌ ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ‌ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ

اللہ نے کہا کہ یہ ہے وہ دن جس میں سچوں کو ان کے سچ کام آئے گے، ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہ ہے بڑی کامیابی۔

گویا کے معاملہ انکے صدق دل پر ہوں گا روز محشر واللہ اعلم بالصواب۔

(ختم شد)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

جیسا کہ امت مسلمہ کا قرآن و حدیث سے ثابت عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ کی پیدائش میں باپ کا بالکل دخل نہیں تھا اور آپؑ کی پیدائش کنواری ماں بی بی مریمؑ کے توسط سے ہوئی ، اس کے برعکس مختلف مذاہب اور خارجی فرقے (یہودیت ، مسیحیت کے چند فرقے ، پرویزیت، غلام احمدیت کا لاہوری فرقہ ، سر سید احمد خان، علامہ عبد الکریم اثری، علامہ عنایت اللہ اثری گجرات، محمد شیخ، نیاز فتح پوری، ڈاکٹر قمر زماں، عزیز اللہ بوہیو سندھ ،) اور ان جیسے دوسرے عناصر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش حضرت مریمؑ کی شادی کے بعد ہوئی۔(شادی کس کے ساتھ کب اور کس طرح ہوئی ان میں سے بھی بعض کو بعض سے اختلاف ہے)

اپنی اس سیریز میں سب سے پہلے ہم اسلامی عقیدہ پیش کریں گے اور اس کے بعد منکرین کے اعتراضات کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں گے (انشااللہ)

قرآن کریم میں سب سے حضرت عیسیٰؑ کا ذکر مکہ میں **سورہ مریم** سے شروع ہوا۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَاذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ مَرۡیَمَ ۘ اِذِ انۡتَبَذَتۡ مِنۡ اَہۡلِہَا مَکَانًا شَرۡقِیًّا ۔ فَاتَّخَذَتۡ مِنۡ دُوۡنِہِمۡ حِجَابًا ۟ فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡہَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَہَا بَشَرًا سَوِیًّا ۔ قَالَتۡ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡکَ اِنۡ کُنۡتَ تَقِیًّا ۔ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّکِ ٭ۖ لِاَہَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ۔ قَالَتۡ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ وَّلَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ وَّلَمۡ اَکُ بَغِیًّا ۔ قَالَ کَذٰلِکِ ۚ قَالَ رَبُّکِ ہُوَ عَلَیَّ ہَیِّنٌ ۚ وَلِنَجۡعَلَہٗۤ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَرَحۡمَۃً مِّنَّا ۚ وَکَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِیًّا ۔ [3,2]

---

[1] محمد منیب الرحمن: مکینیکل انجینئر ٹیکنالوجسٹ

[2] سورۃ مریم آیت ۱۶۔۲۱

[3] سورۃ مریم 17-21

اور کتاب (قرآن) میں مریم کا بھی مذکور کر و جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرق کی طرف چلی گئیں۔ تو انہوں نے ان کی طرف سے پردہ کر لیا۔ (اس وقت) ہم نے ان کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا۔ تو ان کے سامنے ٹھیک آدمی (کی شکل) بن گیا مریم بولیں کہ اگر تم پرہیزگار ہو تو میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں انہوں نے کہا کہ میں تو تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا (یعنی فرشتہ) ہوں (اور اس لئے آیا ہوں) کہ تمہیں پاکیزہ لڑکا بخشوں۔ مریم نے کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوگا مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔ (فرشتے نے) کہا کہ یونہی (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ مجھے آسان ہے۔ اور (میں اسے اسی طریق پر پیدا کروں گا) تاکہ اس کو لوگوں کے لئے اپنی طرف سے نشانی اور (ذریعہٗ) رحمت اور (مہربانی) بناؤں اور یہ کام مقرر ہو چکا ہے۔ تو وہ اس (بچّے) کے ساتھ حاملہ ہو گئیں اور اسے لے کر ایک دور جگہ چلی گئیں۔

واضع رہے کہ ان سے اوپر والی آیات میں جب حضرت زکریاؑ نے رب العالمین سے اولاد نرینہ کے لیے دعا مانگی اور فرمایا (انہوں نے کہا پروردگار میرے ہاں کس طرح لڑکا ہوگا۔ جس حال میں میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں حکم ہوا کہ "**اسی طرح** (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ آسان ہے اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے سورہ مریم)

كَذٰلِكَ:

ان دونوں مقامات پر اللہ رب العزت نے فرمایا [قَالَ كَذٰلِكَ: فرمایا اسی طرح]۔ جس سے صاف **معلوم** ہوتا ہے، ولادت یحییٰؑ بھی اللہ کے حکم سے ہوئی اور ولادت عیسیٰؑ بھی اللہ کے حکم سے 'اسی طرح' ہوئی جس کا اللہ نے وعدہ فرمایا تھا

ڈاکٹر پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی صاحب غلام احمد پرویز صاحب کے جواب میں فرماتے ہیں

" لفظ کذالک یہاں ایک اہم حقیقت کا آئینہ دار ہے اس لفظ کے آخری 'ک' سے حضرت زکریاؑ کو خطاب کر کے کہا یہ گیا ہے کہ ' اسی طرح بوڑھے باپ اور بانجھ ماں کے ہاں ہی ولادت فرزند ہو گی"[1]

حضرت زکریاؑ سے بانجھ پن کی حالت میں وعدہ فرمایا اور حضرت مریمؑ خاتون جنت سے کنوارگی کی حالت میں وعدہ فرمایا اور وہی کر دکھایا۔ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔

سنت اللہ:

اس وعدہ میں بعض گروہوں کا **پہلا اعتراض ہوتا ہے سنت اللہ کی خلاف ورزی**، کہتے ہیں بن باپ پیدائش اللہ کی سنت کے خلاف ہے،

---

[1] ولادت مسیح اور منکرین حدیث، صفحہ ۵۶

جبکہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ سنت اللہ کا تعین کون کرے گا۔ حکم ہو تا ہے (اور کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ خدا کے حکم سے جو خدا چاہے القا کرے بیشک وہ عالی رتبہ (اور) حکمت والا ہے۔[1])

بے شک اس سنت کا تعین اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں کر سکتا اور یہی بات اللہ تعالی نے سورہ مریم میں واضح فرمادی۔ اور دونوں مرتبہ فرمایا قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ (حکم ہوا کہ اسی طرح (ہو گا) تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ آسان ہے) اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے۔

پس واضح ہوا یہی اللہ کی سنت جو کچھ پیدا ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے خواہ انسان چاہے اپنی زوجہ ہونے کے باوجود لاکھ کوشش کرے پر دینے والی ذات صرف اللہ رب العزت کی ہی ہے اس کا حکم ہوا تو بنا کوشش کے ہی اولاد عطا فرمادی،

اس کے بعد سورہ مریم میں ارشاد ہوتا ہے:

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۚ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۙ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۪ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۔

ترجمہ: پھر دردِ زہ ان کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا۔ کہنے لگیں کہ کاش میں اس سے پہلے مر چکتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی اس وقت ان کے نیچے کی جانب سے فرشتے نے ان کو آواز دی کہ غمناک نہ ہو تمہارے پروردگار نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی تو کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ اگر تم کسی آدمی کو دیکھو تو کہنا کہ میں نے خدا کے لئے روزے کی منت مانی تو آج میں کسی آدمی سے ہر گز کلام نہیں کروں گی پھر وہ اس (بچے) کو اٹھا کر اپنی قوم کے لوگوں کے پاس لے آئیں۔ وہ کہنے لگے کہ مریم یہ تو تُو نے برا کام کیا اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی بد اطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی تو مریم نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بولے کہ ہم اس سے کہ گود کا بچہ ہے کیونکر بات کریں بچے نے کہا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب

---

[1] سورہ الشوری نمبر ۴۲ آیت ۵۱

دی ہے اور نبی بنایا ہے اور میں جہاں ہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے صاحب برکت کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا ارشاد فرمایا ہے اور (مجھے) اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور سرکش و بدبخت نہیں بنایا اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام (و رحمت) ہے یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں (اور یہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں

(اس حمل میں مدت کتنا عرصہ تھی، حمل فرشتہ کے پیغام کے کتنے دیر بعد ہوا اس موضوع پر ہمیں صرف تاریخی اور مسیحی دلائل ملتے ہیں جنہیں انشاللہ پھر کبھی پیش کیا جائے گا،)

لیکن اس سے (میرے مطابق) واضع ہوتا ہے کہ آپکا حمل تھوڑے عرصہ کا تھا کیونکہ ایک اکیلی حاملہ لڑکی کا کسی سہارے کے بغیر الگ رہنا ممکن نہیں، گو اللہ نے اگلی آیت کے مطابق فرشتوں کا انتظام کر رکھا تھا لیکن پھر بھی قبیلہ سے اگر زیادہ دیر دور رہتی تو انہیں تشویش ہوتی اور خاندان کے لوگ آپ کو ڈھونڈنے نکل جاتے۔

خیر جب بچہ کی پیدائش ہوئی اور آپ اسے اٹھا کر قوم کے پاس تشریف لائیں تو ان کی طرف سے پیش کردہ یہ اعتراض ہی آپ کی کنوارگی کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے، (پھر وہ اس (بچّے) کو اٹھا کر اپنی قوم کے لوگوں کے پاس لے آئیں۔ وہ کہنے لگے کہ مریم یہ تو تُونے برا کام کیا اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی بد اطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی)

اگر معاذاللہ بی بی مریمؑ کی شادی ہوئی ہوتی تو قوم کو کیا ضرورت تھی یہ اعتراض پیش کرنے کی؟ کیا کبھی کسی شادی شدہ عورت پر ایسا الزام لگا ہے کہ توں نے بچہ پیدا کر کے بہت برا کام کیا؟ ہرگز نہیں

اس اعتراض کا جواب بھی اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰؑ سے گود میں کلام کے ذریعہ دلوادیا (حضرت عیسیٰؑ کا گود میں کلام ہی اس بات کا رد تھا کہ میری ماں بدکار نہیں، مجھے ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا بنایا اور میں اللہ کی طرف سے ایک نشانی ہوں جو بنی اسرائیل کی طرف معبوث کی گئی)

اس کے بعد اللہ پاک مدینہ والوں کے لیے سورہ آل عمران میں بھی یہ واقعہ بیان فرماتا ہے:

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ‌ؕ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَهُمۡ اَيُّهُمۡ يَكۡفُلُ مَرۡيَمَ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يَخۡتَصِمُوۡنَ۔ اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓـئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنۡهُ ۖ اسۡمُهُ الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ وَجِيۡهًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ۔ قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ وَلَدٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِىۡ بَشَرٌ‌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ‌ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ۔[1]

---

[1] سورہ آل عمران ۴۴-۴۸

(اور جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ مریم! خدا نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور پاک بنایا ہے اور جہان کی عورتوں میں منتخب کیا ہے مریم اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرنا اور سجدہ کرنا اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا (اے محمد ﷺ) یہ باتیں اخبار غیب میں سے ہیں جو ہم تمہارے پاس بھیجتے ہیں اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کا متکفل کون بنے تو تم ان کے پاس نہیں تھے اور نہ اس وقت ہی ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب فرشتوں نے (مریم سے کہا) کہ مریم خدا تم کو اپنی طرف سے ایک فیض کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسیٰ ابن مریم ہو گا (اور) جو دنیا اور آخرت میں باآبرو اور (خدا کے) خاصوں میں سے ہو گا اور ماں کی گود میں اور بڑی عمر کا ہو کر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے (یکساں) گفتگو کرے گا اور نیکو کاروں میں ہو گا مریم نے کہا پروردگار میرے ہاں بچہ کیونکر ہو گا کہ کسی انسان نے مجھے ہاتھ تک تو لگایا نہیں فرمایا کہ خدا اسی طرح جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے اور وہ انہیں لکھنا (پڑھنا) اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائے گا

۔

اور اللہ پاک نے ایک بار پھر یہ فرما کر (ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۔ یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں (اور یہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں)

ولادت عیسیٰؑ کے اس پورے قصہ میں کہیں بھی والد کا نہ تو ذکر ہوا اور نہ ہی کسی کو شبہ ہو سکتا ہے، جس قوم کو شبہ تھا وہ بھی اللہ پاک نے رفع کر دیا۔

سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ[1]

اللہ پاک ہے جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے

یہاں بھی اللہ پاک فرماتا ہے ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ فرمایا کہ خدا اسی طرح جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے

فقط ماں سے منسوب:

قرآن پاک میں حضرت عیسیٰؑ کو فقط حضرت مریمؑ کے نام سے منسوب کر کے پکارا ہے باپ کے نام سے نہیں حالانکہ حکم ہوتا ہے کہ لے پالکوں کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۔ تم انہیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک انصاف کی بات ہے۔

یہی اس امر کی دلیل ہے کہ آپؑ کا کوئی باپ نہیں تھا جیسا کہ علامہ خالد محمود فرماتے ہیں

---

[1] سورہ احزاب ۳۳ : ۵

" قرآن کریم میں بار بار آپ کو ابن مریم کہا گیا ہے اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ آپ کا کوئی دنیاوی باپ نہ تھا۔ بیٹے ہمیشہ باپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں ماں کی طرف نہیں آپؑ کو بار بار عیسیٰ بن مریمؑ کہہ کر ذکر کرنا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ کوئی انسان آپ کا باپ نہ تھا۔[1]

اگر آپؑ کا کوئی باپ ہوتا تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتے فرزند کی خوشخبری دینے کے لیے باپ کے پاس کیوں نہ گئے؟

سورہ المائدہ آیت نمبر ۷۵ میں بھی اللہ پاک مسیح کی صرف والدہ کا ذکر فرماتا ہے

كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۔[2]

اور ان کی والدہ (مریم خدا کی ولی اور) سچی فرماں بردار تھیں۔ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم ان لوگوں کے لئے اپنی آیتیں کس طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں پھر (یہ) دیکھو کہ کدھر الٹے جارہے ہیں۔

یہاں بھی صرف دونوں کی تصریح فرما کر فاضع کر دیا کہ کوئی تیسرا فرد ان میں شامل نہیں۔

سورہ مریم آیت ۳۲ میں بھی ارشاد ہوتا ہے:

"وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا"

"اور مجھے اپنی والدہ کا فرمانبردار بنایا ہے، اور مجھے سرکش اور سنگ دل نہیں بنایا۔"

حالانکہ قرآن پاک میں عمومی حکم والد اور والدہ دونوں سے حسن سلوک کرنے کا ہوتا ہے جیسا ارشاد ہوتا ہے:

" وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۔

،اور والدین سے اچھا سلوک کروگے

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۔[4]

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے بارے میں یہ تاکید کی ہے۔

وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ ۔

اور ہم نے یحییٰ کو والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے والا بنایا،

---

[1] مطالعہ قادیانیت جلد ۲ ص ۹۰

[2] سورۃ المائدہ: 73

[3] ، سورہ البقرہ ۸۳

[4] سورہ لقمان ۱۴

[1] لیکن اس کے بر عکس حضرت عیسیٰ ؑ کے لیے صرف ماں سے شفقت کا حکم دیا۔ اس سے واضع ہو جاتا ہے کہ آپ ؑ کی پیدائش میں باپ کا عمل دخل نہیں تھا۔

مولانا احمد سعید دہلوی رح آیت مندرجہ بالا کے تحت فرماتے ہیں:

" اور اس نے مجھ کو میری ماں کا خدمت گزار بنایا اور اس نے مجھ کو سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔ ماں کا خدمت گزار بنایا باپ کا نام نہیں لیا اس لئے کہ ان کا کوئی باپ نہ تھا وہ محض کلمہ کن کا ظہور تھے نہ بدبخت کیا نہ سرکش حضرت عیسیٰ ؑ کا تحمل اور ان کی نرمی ضرب المثل ہے اور ان کی طاقت برداشت سے ہر شخص واقف ہے۔ "[2]

اللہ رب العزت نے جس قدر واضع پیدائش عیسیٰ مسیح ابن مریم ؑ بیان فرما دی ہے اس کے بعد کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی اور شک کرنے والوں کے لیے اللہ پاک کا ارشاد ہے:

وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ۔ [3]

اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور پیروی ظن کے سوا ان کو اس کا مطلق علم نہیں۔

بے شک ظن کی پیروی کے سوا ان لوگوں کے پاس کوئی علم نہیں۔

یہ ہے عیسیٰ ؑ مسیح ابن مریم ؑ کے متعلق قرآن کا حکم، جس پر بے شمار اعتراضات اور وسوسہ کیا جاتا ہے لیکن الحمد اللہ ہر اعتراض کا کامل جواب موجود ہے۔ اللہ پاک ہمیں سمجھنے اور سیکھنے کی تقویت عطا فرمائے۔

---

[1] سورہ مریم ۱۴

[2] تفسیر کشف الرحمٰن۔ آیت ۱۹ : ۳۲

[3] سور النسا آیت ۱۵۷

عقیدہ ختم نبوت جس طرح قرآن پاک کی آیات اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے اسی طرح عقیدہ ختم نبوت صحابہ کرامؓ اور امت محمدیہ کے اجماع سے بھی ثابت ہے۔ جس طرح کسی بھی مسئلے پر قرآن اور حدیث بطور دلیل ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کا اجماع یا امت کا اجماع بھی کسی مسئلے پر دلیل ہیں۔

آیئے پہلے اجماع کی حقیقت اور اہمیت دیکھتے ہیں اور پھر عقیدہ ختم نبوت پر صحابہ کرامؓ کا اجماع اور امت کا اجماع دیکھتے ہیں۔

اجماع کی حقیقت:

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا و مولی سیدنا محمد مصطفی ﷺ کو جو بے شمار انعامات دیئے ہیں ان میں سے ایک انعام "اجماع امت" بھی ہے۔

اجماع کی حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی مسئلے کے حکم پر امت کے علماء مجتہدین اتفاق کر لیں تو اس مسئلے پر عمل کرنا بھی اسی طرح واجب ہو جاتا ہے۔ جس طرح قرآن اور احادیث پر عمل کرنا واجب ہے۔

چونکہ حضور ﷺ کے بعد کسی نئے نبی نے نہیں آنا تھا۔ اور آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسی ہستی امت میں موجود نہیں تھی جس کے حکم کو غلطی سے پاک اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھا جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ کے علماء مجتہدین کے اجتہاد کو یہ درجہ دیا کہ ساری امت کے علماء مجتہدین کسی چیز کے اچھے یا برے ہونے پر متفق ہو جائیں وہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ایسی ہی ہے جیسے اس امت کے علماء مجتہدین نے سمجھا ہے۔

اسی بات کو حضور ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

"عن أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: إِنَّ أُمَّتِي لَنْ تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ"[2]

---

[1] مفتی سعد کامران: فاضل علوم اسلامیہ: ایم فل سکالر

[22] ابن ماجہ حدیث نمبر 3950، باب سواد الأعظم

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ میری امت گمراہی پر کبھی جمع نہ ہو گی، لہذا جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم (یعنی بڑی جماعت) کو لازم پکڑو"

اصول کی کتابوں میں اجماع امت کے حجت شرعیہ ہونے اور اس کے لوازمات اور شرائط کے بارے میں مفصل بحثیں موجود ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی حجتوں میں قرآن اور حدیث کے بعد تیسرے نمبر پر اجماع کو رکھا گیا ہے۔

اور جس مسئلے پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو جائے تو وہ اسی طرح قطعی اور یقینی ہے جس طرح کسی مسئلے پر قرآن کی آیات قطعی اور یقینی ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رح لکھتے ہیں:

"واجماعهم حجته قاطعته يجب اتباعها بل هي او كد الحجج وهي مقدمته على غيرها وليس هذا موضع تقرير ذلك فان هذا الاصل مقرر في موضعه وليس فيه بين الفقهاء ولا بين سائر المسلمين الذين هم المومنون خلاف"[1]

"اجماع صحابہؓ حجت قطعیہ ہے بلکہ اس کا اتباع فرض ہے۔ بلکہ وہ تمام شرعی حجتوں میں سب سے زیادہ موکد اور سب سے زیادہ مقدم ہے۔ یہ موقع اس بحث کا نہیں۔ کیونکہ ایسے مواقع (یعنی اصول کی کتابوں میں) یہ بات اہل علم کے اتفاق سے ثابت ہو چکی ہے۔ اور اس میں تمام فقہاء اور تمام مسلمانوں میں جو واقعی مسلمان ہیں کسی کا اختلاف نہیں"

عقیدہ ختم نبوت پر صحابہ کرامؓ کا اجماع:

اسلامی تاریخ میں یہ بات حد تواتر کو پہنچ چکی ہے کہ مسیلمہ کذاب نے حضور ﷺ کی موجودگی میں نبوت کا دعوی کیا اور ایک بڑی جماعت نے اس کے دعوی نبوت کو تسلیم بھی کر لیا۔

ایک دفعہ مسیلمہ کذاب کا ایلچی حضور ﷺ کے پاس آیا تو حضور ﷺ نے اس سے مسیلمہ کذاب کے دعوی کے بارے میں پوچھا تو ایلچی نے کہا کہ میں مسیلمہ کذاب کو اسکے تمام دعووں میں سچا سمجھتا ہوں۔ تو جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو ایلچی نہ ہوتا تو میں تمہیں قتل کروا دیتا۔

کچھ عرصے بعد ایک صحابیؓ نے اس مسیلمہ کذاب کے ایلچی کو ایک مسجد میں دیکھا تو اس کو قتل کروا دیا۔

حدیث کے الفاظ اور ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ أَبِيهِ نُعَيْمٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَهُمَا حِينَ قَرَأَ كِتَابَ مُسَيْلِمَةَ: مَا تَقُولَانِ أَنْتُمَا؟ قَالَا: نَقُولُ كَمَا قَالَ، قَالَ: أَمَا وَاللَّهِ لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا ۔[2]

---

[1] بیان الدلیل علی بطلان التحلیل جلد صفحہ 240

[2] ابوداؤد شریف حدیث نمبر 2761، باب فی الرسل

میں نے رسول اللہ ﷺ کو جس وقت آپ نے مسیلمہ کا خط پڑھا اس کے دونوں ایلچیوں سے کہتے سنا: تم دونوں مسیلمہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ ان دونوں نے کہا: ہم وہی کہتے ہیں جو مسیلمہ نے کہا ہے، (یعنی اس کی تصدیق کرتے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ نہ ہوتا کہ سفیر قتل نہ کئے جائیں تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔

مسیلمہ کذاب کے ایلچی کو عبد اللہ ابن مسعودؓ نے قتل کروایا۔ یہ واقعہ درج ذیل روایت میں ہے۔

"حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرِّبٍ، أَنَّهُ أَتَى عَبْدَ اللَّهِ، فَقَالَ: مَا بَيْنِي وَبَيْنَ أَحَدٍ مِنَ الْعَرَبِ حِنَةٌ، وَإِنِّي مَرَرْتُ بِمَسْجِدٍ لِبَنِي حَنِيفَةَ فَإِذَا هُمْ يُؤْمِنُونَ بِمُسَيْلِمَةَ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِمْ عَبْدُ اللَّهِ فَجِيءَ بِهِمْ فَاسْتَتَابَهُمْ غَيْرَ ابْنِ النَّوَّاحَةِ، قَالَ لَهُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَوْلَا أَنَّكَ رَسُولٌ لَضَرَبْتُ عُنُقَكَ فَأَنْتَ الْيَوْمَ لَسْتَ بِرَسُولٍ، فَأَمَرَ قَرَظَةَ بْنَ كَعْبٍ فَضَرَبَ عُنُقَهُ فِي السُّوقِ، ثُمَّ قَالَ: مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى ابْنِ النَّوَّاحَةِ قَتِيلًا بِالسُّوقِ"[1]

"انہوں نے عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس آکر کہا: میرے اور کسی عرب کے بیچ کوئی عداوت و دشمنی نہیں ہے، میں قبیلہ بنو حنیفہ کی ایک مسجد سے گزرا تو لوگوں کو دیکھا کہ وہ مسیلمہ پر ایمان لے آئے ہیں، یہ سن کر عبد اللہ بن مسعودؓ نے ان لوگوں کو بلا بھیجا، وہ ان کے پاس لائے گئے تو انہوں نے ابن نواحہ کے علاوہ سب سے توبہ کرنے کو کہا، اور ابن نواحہ سے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: اگر تو ایلچی نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا آج تو ایلچی نہیں ہے۔ پھر انہوں نے قرظہ بن کعب کو حکم دیا تو انہوں نے بازار میں اس کی گردن مار دی، اس کے بعد عبد اللہ بن مسعودؓ نے کہا: جو شخص ابن نواحہ کو دیکھنا چاہے وہ بازار میں جا کر دیکھ لے وہ مرا پڑا ہے"

جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی تو اس کے بعد بہت سے فتنوں نے سر اٹھایا جن میں منکرین زکوۃ کا فتنہ بھی تھا۔ صحابہ کرامؓ نے منکرین زکوۃ کے خلاف بھی جہاد کیا لیکن جہاد کرنے سے پہلے اس پر بحث و مباحثہ بھی ہوا کہ منکرین زکوۃ کے خلاف جہاد کیا جائے یا جہاد نہ کیا جائے۔ جب صحابہ کرامؓ متفق ہو گئے تو پھر منکرین زکوۃ کے خلاف جہاد ہوا۔

لیکن جب مسیلمہ کذاب کے خلاف حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جہاد کا حکم دیا تو کسی ایک صحابی نے یہ نہیں کہا کہ وہ کلمہ گو ہے اس کے خلاف جہاد نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ تمام صحابہ کرامؓ نے مسیلمہ کذاب اور اس کے پیروکاروں کو کفار سمجھ کر کفار کی طرح ان سے جہاد کیا۔ اور مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے کی وجہ صرف اس کا دعوی نبوت تھا کیونکہ ابن خلدون کے مطابق صحابہ کرامؓ کو اس کی دوسری گھناونی حرکات کا علم اس کے مرنے کے بعد ہوا۔

اور یہی صحابہ کرامؓ کا عقیدہ ختم نبوت پر اجماع ہے۔

عقیدہ ختم نبوت پر اجماع امت:

---

1 ابو داؤد شریف حدیث نمبر 2762، باب فی الرسل

عقیدہ ختم نبوت پر اجماع امت کے چند حوالے ملاحظہ فرمائیں:

حوالہ نمبر1:

ملا علی قاری رح لکھتے ہیں:

"دعوی النبوۃ بعد نبینا ﷺ کفر ابالاجماع"[1]

ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کرنے والا امت کے اجماع سے کافر ہے۔

حوالہ نمبر2:

امام غزالی رح نے لکھا ہے:

"ان الامته فهمت بالاجماع من هذا الفظ ومن قرائن احواله انه افهم عدم نبی بعده ابدا۔ وانه لیس فیه تأویل ولا تخصیص فمنکر هذا لایکون الا منکر الاجماع"[2]

"بیشک امت نے بالاجماع اس لفظ (خاتم النبیین) سے یہ سمجھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی ہو گا اور نہ کوئی رسول ہو گا۔ اور اس پر اجماع ہے کہ اس لفظ میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں۔ پس اس کا منکر یقینا اجماع امت کا منکر ہے"

حوالہ نمبر3:

علامہ آلوسی رح ختم نبوت پر امت کے اجماع کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وکونه ﷺ خاتم النبیین مما نطقت به الکتاب وصدعت به السنته واجمعت علیه الامته فیکفر مدعی خلافه ویقتل ان اصر"[3]

"آنحضرت ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ان مسائل میں سے ہے جس پر کتاب (قرآن) ناطق ہے اور احادیث نبوی ﷺ اس کو بوضاحت بیان کرتی ہیں۔ اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔ پس اس کے خلاف کا مدعی کافر ہے اگر وہ توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے"

---

1 الفقہ الاکبر صفحہ 150

2 الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ 178، الباب الرابع، بیان من یجب تکفیرہ من الفرق، طبع بیروت 2003ء

3 روح المعانی جلد 22 صفحہ 41 تفسیر آیت نمبر 40 سورۃ الاحزاب

حوالہ نمبر 4:

قاضی عیاض رح نے خلیفہ عبد الملک بن مروان کے دور کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ اس کے دور میں ایک شخص نے نبوت کا دعوی کیا۔ تو خلیفہ نے وقت کے علماء جو تابعین میں سے تھے ان کے فتوی سے اس کو قتل کروادیا۔ قاضی صاحب اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وفعل ذالك غير واحد من الخلفاء والملوك بأشباههم واجمع علماء وقتهم على صواب فعلهم والمخالف في ذالك من كفرهم كافر "[1]

"اور بہت سے خلفاء سلاطین نے ان جیسے مدعیان نبوت کے ساتھ یہی معاملہ کیا ہے۔ اور اس زمانے کے علماء نے ان سے اس فعل کے درست ہونے پر اجماع کیا ہے۔ اور جو شخص ایسے مدعیان نبوت کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے"

عقیدہ ختم نبوت کے بارے میں قرآن، حدیث اور اجماع امت کی بحث کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

1۔ عقیدہ ختم نبوت قرآن پاک کی 99 آیات سے ثابت ہے۔

2۔ عقیدہ ختم نبوت 210 سے زائد احادیث سے ثابت ہے۔

3۔ عقیدہ ختم نبوت تواتر سے ثابت ہے۔

4۔ عقیدہ ختم نبوت صحابہ کرامؓ کے اجماع اور امت کے اجماع سے بھی ثابت ہے۔

5۔ مسئلہ ختم نبوت پر امت کا سب سے پہلا اجماع منعقد ہوا۔

6۔ عقیدہ ختم نبوت کی وجہ سے قرآن پاک کی حفاظت کا اللہ تعالٰی نے وعدہ فرمایا۔

---

1 شرح الشفاء جلد 2 صفحہ 534 طبع بیروت 2001ء

اہل علم کے مابین اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ محترم غامدی صاحب کی بنیادی فکر دراصل ان کے نادر خیالات اور تفقہ فی الدین کا نتیجہ نہیں، بلکہ ماضی بعید و قریب کے چند علماء وفقہاء کی تحقیقات کا سرقہ ہے۔ راقم کو اس بابت پہلا احساس اس وقت ہوا جب جناب غامدی صاحب کی کتاب "میزان" پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کتاب کی بنیادی فکر، استدلال اور یہاں تک کہ مثالیں بھی مولانا عمر احمد عثمانی صاحب کی کتاب "فقہ القرآن" سے ماخوذ ہیں۔ لیکن مقام حیرت یہ ہے کہ پوری کتاب میں کسی ایک جگہ بھی اس بات کا تاثر نہیں دیا جاتا کہ یہ فکر و مثالیں مولانا عمر احمد عثمانی کی علمی کاوشوں سے ماخوذ ہیں۔ بلکہ کتاب پڑھ کر قاری کو یہی تاثر ملتا ہے کہ گویا یہ تحقیقات خالص جناب غامدی صاحب کے علمی تفکر اور مساعی کا نتیجہ ہیں۔

غامدی صاحب کی بیشتر تحقیقات دوسرے علماء کی کاوشوں کا نتیجہ رہی ہیں، جیسے کہ مولانا وحید الدین خان صاحب کے نظریہ سیاست و خلافت کو غامدی صاحب نے من و عن اپنے الفاظ میں ادا کر دیا ہے، بالکل اسی طرح شادی شدہ زانی کے لئے رجم کی سزا بھی دراصل ان کے استاد محترم امین احسن اصلاحی اور مولانا عمر احمد عثمانی کی علمی تحقیقات سے ماخوذ ہے۔ عمر عائشہ رضی اللہ عنہا پر غامدی صاحب نے سارا کا سارا مواد حکیم نیاز احمد کی کتاب سے لیا ہے جبکہ موسیقی کو مباحات فطرت قرار دینے کے دلائل بھی غامدی صاحب نے مولانا ابو الکلام آزاد اور جعفر شاہ پھلواری سے اخذ کئے ہیں۔ بعینہ جمع القرآن کی روایات کے غیر درست ہونے کا نظریہ بھی غامدی صاحب نے مولانا ابو الکلام آزاد سے ہی لیا ہے۔ سنت قانونِ اسلامی کا "مستقل" ماخذ نہیں ہو سکتی، اس سلسلے میں بھی غامدی صاحب پر مولانا آزاد کے افکار کا ہی اثر ہے۔ اسی طرح آج کل سورۃ النجم کے پہلی قرآنی وحی ہونے اور غارِ حرا میں فرشتے کے آنے کی نفی پر مبنی غامدی صاحب کی وائرل ویڈیو کا بیانیہ بھی دراصل غامدی صاحب کی خود کی تحقیق نہیں بلکہ علامہ تمنا عمادی سے مستعار لی گئی ہے جو کہ عمادی صاحب نے اپنی کتب اعجاز القرآن اور اختلافِ قراءت وغیرہ میں بڑے طمطراق سے پیش کی تھی۔ اور یہ جو غامدی صاحب سورۃ النجم سے متعلق اس جزم سے اپنی تفسیر پڑھنے کا مشورہ دے رہے ہیں کہ گویا یہ باور کروا رہے ہوں کہ سورۃ النجم کا پہلی وحی ہونے کے نکتے کے پہلے حقیقت شناس وہی ہیں تو یہ بھی مبالغہ دہی ہے۔ سورۃ النجم کے پہلی وحی ہونے کا

---

[1] محمد فہد حارث: سوشل میڈیا ایکٹیوسٹ: محقق بین المذاہب

دعویٰ بھی تمنا عمادی کی کتاب "اعجاز القرآن" سے مستعار لیا گیا ہے۔ اسی طرح نزولِ عیسیٰ کے عقیدے کی نفی سے متعلق بھی غامدی صاحب کا نظریہ علامہ تمنا عمادی کی تحقیقات اور مولانا ابو الکلام آزاد کے افکار سے ماخوذ ہے۔ بعینہٖ نامحرم خواتین سے ہاتھ ملانے کی بابت بھی غامدی صاحب کے تمام دلائل فتاویٰ یوسف القرضاوی سے مستعار ہیں۔ یہی نہیں بلکہ غامدی صاحب کے ہاں مروج جزیہ کی موقوفی کا نظریہ بھی انہیں یوسف القرضاوی کی فکری مساعی کا نتیجہ ہے۔ مشت زنی یعنی جلق مباح ہے۔ غامدی صاحب نے یہ معاملہ امام احمد بن حنبل سے مستعار لیا ہے جبکہ متاخرین حنابلہ اس کی حرمت کے قائل ہیں اور اسکو احمد بن حنبل کا متروک تفرد مانتے ہیں۔

الغرض کوئی ایسا مسئلہ ڈھونڈنا مشکل ہو گا جس کی بابت کہا جاسکے کہ یہ مسئلہ تنہا غامدی صاحب کی دقت نظری کا نتیجہ ہے۔ تاہم یہ بات ضرور ہے کہ ان تمام مسائل میں غامدی صاحب سبیل المومنین سے الگ تھلگ نظر آتے ہیں جبکہ غامدی صاحب کے متبعین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کہ غامدی صاحب کے تفردات کی تعداد ۵، ۴ سے زیادہ نہیں ہے۔ اور ان تفردات میں بھی وہ اکیلے نہیں بلکہ فقہاء ان کے ساتھ ہیں۔ اس مبحث کو آگے بڑھانے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تفرد کہتے کسے ہیں۔ تفرد اسے نہیں کہتے کہ سلف سے خلف تک کسی نے وہ موقف اختیار نہ کیا ہو۔ تفرد وہ بھی ہوتا ہے جس کے قائلین خواہ (سلف تا خلف) متعدد پائے جائیں لیکن اپنے زمانے میں تنہا ہی رہے ہوں۔

آسان زبان میں تفرد کسی بھی فقیہہ یا عالم کی اس رائے کو کہتے ہیں جس میں وہ جمہور امت سے منفرد ہو اور امت اور اسکے علماء کی اکثریت نے اس رائے کو قبول عام نہ بخشا ہو۔ اس طرح کے تفردات ہمیں تقریباً ہر فقیہہ کے ہاں مل جاتے ہیں لیکن عموماً تمام قدیم وجدید فقہاء کے تفردات کی تعداد ان کی بقیہ آراء کے مقابلہ میں آٹے میں نمک کے برابر ہوتی ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ کسی عالم یا فقیہہ نے اگر ۱۰۰۰ مسائل کا استنباط کیا ہے تو اس میں سے ۵ یا ۶ ہی میں تفرد کا شکار ہوا ہو گا۔ لیکن غامدی صاحب کی تو ماشاء اللہ سے پوری کی پوری ''فقہ'' ہی تفردات کا مجموعہ ہے۔ اور اپنے استاذ گرامی کے دفاع میں غامدی صاحب کے متبعین عموماً یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ استاذ محترم اس تفرد میں اکیلے نہیں بلکہ فلاں دور کے فلاں عالم بھی ان کے ہمنوا ہیں اور دراصل یہ بات ہوتی بھی بالکل درست ہے لیکن مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ جو چیزیں مختلف فقہاء کے ہاں انفرادی طور پر ملتی ہیں غامدی صاحب نے انکو وہاں سے چن چن کر اپنی پوری فقہ بنا ڈالی ہے یعنی ہر فقیہ کا متروک یا شاذ اجتہاد غامدی صاحب کے ''مقبول'' اجتہاد کی لسٹ میں آجاتا ہے۔ گویا ایسا نظر آتا ہے کہ غامدی صاحب ان فقہ کی کتابوں میں سے اپنے لیے کبھی محرمات کا جواز ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں تو کہیں واجبات کی نفی میں ان کا دن رات ایک ہو رہا ہوتا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے اکثر زعمائے سوء نے جب بھی امت کو جادہء حق سے منحرف کرنے کا کام سرانجام دیا ہے تو فقہ کی کتابوں کا ہی سہارا لیا ہے اور اس اصل سے اعراض برتا ہے جسکی بنیاد پر فقہ رکھی گئی ہے یعنی قرآن وسنت۔ یہی روش ممدوح غامدی صاحب نے بھی اختیار کی ہوئی ہے۔
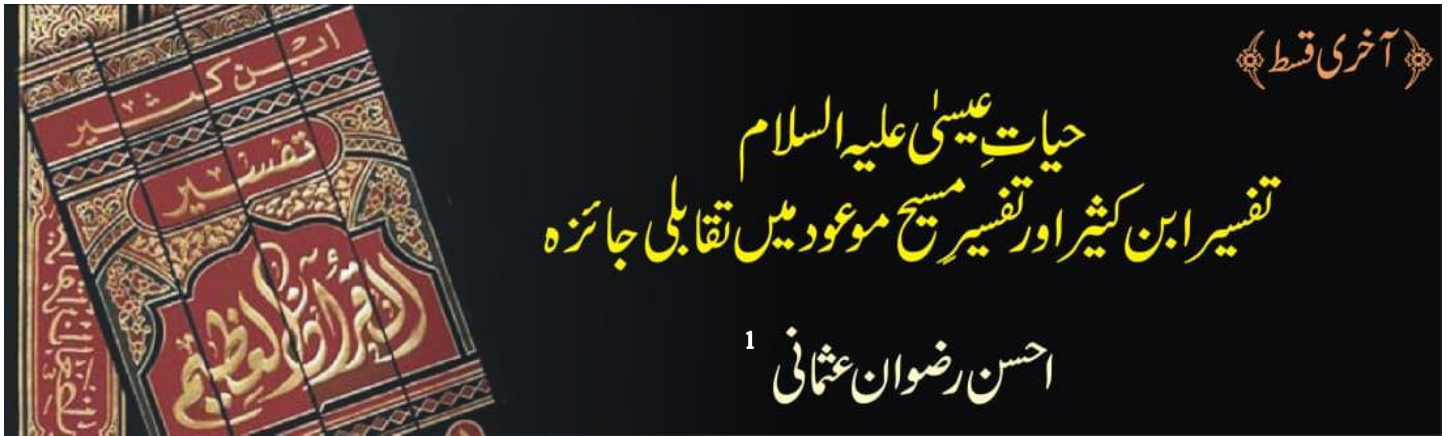
باب دوم: تفسیر مسیح موعود:

فصل اول: تفسیر مسیح موعود کے مولف کا مختصر تعارف:

مرزا قادیانی کا نام و نسب:

مرزا قادیانی خود اپنا تعارف کرواتے ہوئے لکھتا ہے۔

- اب میرے سوانح اس طرح پر ہیں نام غلام احمد، میرے والد کا نام غلام مرتضیٰ، دادا کا نام عطا محمد تھا۔[2]
- اپنی قوم کے بارے میں لکھتا ہے کہ ہماری قوم مغل برلاس ہے
- اپنی تاریخ پیدائش کے بارے میں لکھتا ہے کہ میری پیدائش ۱۸۳۹یا ۱۸۴۰ میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور میں ۱۸۵۷ میں سولہ یا سترہ برس کا تھا۔[3]

حالات زندگی:

مرزا غلام احمد نے تعلیم اپنے آبائی گاوں قادیان ہی میں حاصل کی۔ اس میں قرآن کریم، عربی، فارسی اور طب کے ابتدائی سبق شامل تھے۔ جن کے لیے کچھ اساتذہ رکھے گئے۔ رائج الوقت طریق کے برخلاف مشہور علما سے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے دوسرے ممالک و مدن کا سفر اختیار نہیں کیا۔ اپنی تعلیم سے متعلق مرزا قادیانی لکھتا ہے "جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں ... ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کیلئے مقرر کئے گئے ... میں نے

---

1 احسن رضوان عثمانی: ایم فل سکالر

2 خزائن ج ۲۲ ص ۱۳۷

3 ایضاص ۱۷۷

صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے اور بعد اس کے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا، ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر (استاد کا احترام ملاحظہ فرمائیں) رکھ کر قادیان میں پڑھانے کیلئے مقرر کیا تھا اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا، حاصل کیا۔

مرزا قادیانی نے تعلیم ادھوری چھوڑی اور اب تعلیم کے علاوہ دیگر مصروفیات کے بارے میں مرزا قادیانی لکھتا ہے "میرے والد صاحب اپنے بعض آبائو اجداد کے دیہات کو دوبارہ لینے کیلئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے، انہوں نے ان ہی مقدمات میں مجھے بھی لگایا اور ایک زمانہ دراز تک ان کاموں میں مشغول رہا مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضائع ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا۔ اس لئے اکثر والد صاحب کی ناراضگی کا نشانہ رہتا رہا۔ [1]

مرزا قادیانی کو چڑیا پکڑنے کا شوق تھا اور انہیں سرکنڈوں سے ذبح کرلیتا۔ قادیان کے چھپڑ میں تیراکی کا شوق تھا۔ اکثر جوتا الٹا سیدھا پہنا کرتا تھا۔ چابیاں ریشمی ازار بند کے ساتھ باندھا کرتا تھا۔ اوپر والے کاج میں نیچے والا بٹن اور نیچے والے کاج میں اوپر والا بٹن اکثر لگاتا اور جرابیں بھی الٹی پہنتا یعنی ایڑھی والا حصہ اوپر ہوتا۔ پسندیدہ بیٹھنے کی جگہ پاخانہ کیلئے استعمال ہونے والا کمرہ تھا جہاں کنڈی لگا کر دو، تین گھنٹے بیٹھا رہتا تھا۔ مرزا قادیانی کی طبیعت آوارہ اور فضول خرچی کا شوق غالب تھا۔ مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد اپنے باپ کا واقعہ اپنی والدہ کے حوالے سے لکھتا ہے "بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے ایک دفعہ اپنی جوانی کے زمانے میں حضرت مسیح موعود تمہارے دادا کی پنشن مبلغ 700 روپے وصول کرنے گئے تو پیچھے پیچھے مرزا امام الدین چلا گیا۔ جب آپ نے پنشن وصول کرلی تو آپ کو بہلا پھسلا کر اور دھوکہ دے کر بجائے قادیان لانے کے باہر لے گیا اور ادھر ادھر پھراتا رہا پھر جب اس نے سارا روپیہ اڑا کر ختم کر دیا تو آپ کو چھوڑ کر کہیں اور جگہ چلا گیا۔ حضرت مسیح موعود اس شرم سے گھر واپس نہیں آئے۔ [2]

وفات:

مرزا غلام احمد نے لاہور میں 26 مئی 1908 کو وفات پائی۔ میت کو بذریعہ ریل ان کے آبائی گاوں قادیان لایا گیا اور بہشتی مقبرہ میں تدفین ہوئی۔

---

[1] کتاب البریہ، ص ۱۶۴

[2] از مرزا بشیر احمد، سیرت المہدی، ج ا، ص 34

فصل دوم: تفسیر مسیح موعود کا تعارف:

تفسیر مسیح موعود کی آیات:

آیت کا قادیانی ترجمہ و تفسیر:

"خیر الماکرین" یعنی ایسا مکر کرنے والا جس میں کوئی شہر نہیں نہیں مل کر نبی اور محبت پیر کو کہتے ہیں جس کا اطلاق خدا پر ناجائز نہیں نہیں ہے مسیح موعود علیہ السلام کی قبر۔

تفسیر مسیح موعود:

مکر کے مفہوم میں کوئی ایسا ناجائز امر نہیں جو خدا تعالی کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا، شریروں کو سزا دینے کے لئے خدا کے جو باریک اور مختلف کام ہیں ان کا نام ہے۔ صفحہ نمبر 74 ہم لکھ چکے ہیں کہ خدا کا نام قرآن شریف کی رو سے "خیر الماکرین" اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب وہ کسی مجرم مستوجب سزا کو باریک اسباب کے استعمال سے سزا میں گرفتار کرتا ہے، یعنی ایسے اسباب اس کی سزا کے، اس کے لیے مہیا کرتا ہے جن اسباب کو مجرم کسی اور ارادہ سے اپنے لئے مہیا کرتا ہے۔ پس وہی اسباب اپنی بہتری یا ناموری کیلئے مجرم جمع کرتا ہے وہی اس کی زلالت اور ہلاکت کا موجب ہو جاتے ہیں۔ قانون قدرت صاف گواہی دیتا ہے کہ خدا کا یہ فعل بھی دنیا میں پایا جاتا ہے کہ وہ بعض اوقات بے حیا اور سخت دل مجرموں کی سزا ان کے ہاتھ سے دلواتا ہے سو وہ لوگ اپنی ذلت اور تباہی کے سامان اپنے ہاتھ جمع کر لیتے ہیں۔ اور ان کی نظر سے وہ امور اس وقت تک مخفی رکھے جاتے ہیں جب تک خدا تعالی کی قضا اور قدر نازل ہو جائے۔ پس مخفی کارروائی کے لحاظ سے یہاں سے خدا کا نام ماکر ہے۔[1]

قرآن شریف نے خدا تعالی کی صفات میں اس قسم کا مکر بھی داخل رکھا ہے جو اس کی ذات پاک کے منافی نہیں اور جس میں کوئی امر اس کے تقدس اور اس کی بے عیب ذات کے مخالف نہیں، اور جس پر خدا کا قانون قدرت بھی گواہی دیتا ہے، اور اس کی قدیم عادت میں پایا جاتا ہے۔ اور خدا کا مکر اس حالت میں کہا جاتا ہے اور اس کے اس فعل پر اطلاق ہوتا ہے کہ جب وہ ایک شریف آدمی کے لئے اس کے پوشیدہ منصوبوں کو اس کے سزایاب ہونے کا سبب ٹھہراتا ہے، قرآن شریف کی رو سے یہ خدا کا مقام ہے اور جو فکر کرنے والے کی پاداش میں ظہور میں آتا ہے جیسے اللہ نے فرمایا "ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین" یعنی کافروں میں ایک بد مکر کیا کہ خدا کے رسول صلی اللہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکال دیا اور خدا نے ان کے مقابل پر ایک نیک مکر کیا کہ وہی نکالنا اس رسول کی فتح اور اقبال کا موجب ٹھہرا دیا، پس خدا نے اس جگہ اپنا نام خیر الماکرین رکھا

---

1 تفسیر حضرت مسیح موعود ص 75

یعنی ایسا کرنے والا جو نیک مقدر ہے نہ کہ بد مکر اور کافروں کے مکر کو بدنام کر دیا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو دو قسم پر تقسیم کیا ایک بد مکر اور ایک نیک مکر۔ بس خدا نے نیک مکر اپنی صفات میں داخل کیا اور بد مکر اور شریر لوگوں کی عادات میں قرار دیا۔[1]

وہ مکر جو خدا کی شان کے مناسب حال ہیں وہ اس قسم کے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ نیکوں کو آزماتا ہے اور بدوں کو جو اپنی شرارت کے مکر نہیں چھوڑتے سزا دیتا ہے اور اس کے قانون قدرت پر نظر ڈال کر ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی مخفی رحمتیں یا مخفی غضب اس کے قانون قدرت میں پائے جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایک مکار شریر آدمی جو اپنے بد مکروں سے باز نہیں آتا بعض اسباب کے پیدا ہونے سے خوش ہوتا ہے، اور خیال کرتا ہے کہ ان اسباب کے ذریعے جو میرے لئے میسر آگئے ہیں ایک مظلوم کو انتہا درجہ کے ظلم کے ساتھ پیس ڈالوں گا مگر انہیں خدا اسی کو ہلاک کرتا ہے اور یہ خدا کا مکر ہوتا ہے جو شریر آدمی کو ان کاموں کے بدنتیجے سے بے خبر رکھتا ہے، اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ اس مکر میں اس کی کامیابی ہے۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ایسے کام خدا تعالی کے دنیا میں ہزارہا پائے جاتے ہیں کہ وہ ایک ایسے شریر آدمی کو جو بد مکروں سے بے گناہ کو دکھ دیتا ہے اپنے نیک اور عدل کے مکر سے سزا دیتا ہے۔[2]

میں نے غور کیا ہے کہ منکر کا لفظ آنحضرت ﷺ اور مسیح علیہ السلام کے لئے قرآن میں آیا ہے اور میرے لیے بھی یہ لفظ براہین میں آیا ہے، گویا مسیح علیہ السلام کے قتل کے لئے ایک مفید منصوبہ کیا گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی کیا گیا تھا اور یہاں بھی منسوب ہوئے اور اپنے طور پر آج کل بھی فرق نہیں کیا جاتا مگر خدا تعالی کا مکر ان سب پر غالب آیا مکر مخفی اور لطیف تدبیر کو کہتے ہیں۔

قرآن نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے چار وعدے فرمائے، جو کہ قرآن مجید میں موجود ہیں۔

پہلی دو آیات حضرت عیسی علیہ السلام کے رفع پر دلالت کرتی ہیں اور دو آیات نزول پر دلالت کرتی ہیں۔

مذکورہ آیت کا قادیانی ترجمہ:

تفسیر مسیح موعود مرزا قادیانی نے مذکورہ آیت کا ترجمہ یوں کیا: اے عیسی میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور پھر عزت کے ساتھ اوپر اٹھانے والا ہوں اور کافروں کی تو سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر قیامت تک غلبہ دینے والا ہوں۔[3]

---

1 حوالہ مذکورہ

2 تفسیر مسیح موعود علیہ السلام صفحہ 76، 75

3 ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 423

تفسیر مسیح موعود:

اے عیسیٰ میں تجھے کامل اجر بخشونگا یا وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھالوں گا یعنی رفع الدرجات کروں گا یا دنیا سے اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تیرے متبعین کو ان پر جو منکر ہے قیامت تک غلبہ بخشوں گا۔ یعنی تیرے ہم عقیدہ اور ہم مشربوں کو حجت پر برہان اور برکات کی رو سے دوسرے لوگوں پر قیامت تک فائق رکھوں گا۔[1]

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ترتیب وار اپنے تیئں فاعل ٹھہرا کر چار فعل اپنے یکے بعد دیگرے بیان کیے، جیسا کہ وہ فرماتا ہے ایسا میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کفار کے الزامات سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے متبعین کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دینے والا ہوں اور ظاہر ہے کہ یہ ہر چہار فقرے ترتیب سے بیان کئے گئے ہیں، کیونکہ اس میں شک نہیں کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف بلائے اور "ارجعی الی ربك" کی خبر اس کو پہنچ جائے، پہلے اس کا وفات پانا ضروری ہے، پھر بموجب آیت کریمہ ارجعی الی ربك اور حدیث صحیح کے اس کا خدائے تعالیٰ کی طرف رفع ہوتا ہے اور وفات کے بعد مومن کی روح کا خدا تعالیٰ کی طرف آنا لازمی ہے۔ اس پر قرآن کریم اور احادیث صحیح ہیں پھر بعد اس کے جو خدائے تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو فرمایا جو کفار کے الزامات سے پاک کرنے والا ہوں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہود چاہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کر کے اس الزام کے نیچے داخل کریں جو تورات باب استثناء میں لکھا ہے: جو مصلوب لعنتی اور خدا تعالیٰ کی رحمت سے بے نصیب ہے جو عزت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا نہیں جاتا، سو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اس آیت میں بشارت دی کہ تم اپنی موت طبعی سے فوت ہو گا اور پھر عزت کے ساتھ میری طرف اٹھایا جائے گا۔ اور تیرے مصلوب کرنے کے لئے دشمن جو کوششیں کر رہے ہیں وہ ناکام رہیں گے۔ اور جن کے الزاموں کے قائم کرنے کے لیے وہ فکر میں ہیں ان تمام الزامات سے میں تجھے پاک اور منزہ رکھوں گا، یعنی مصلوبیت اور اس کے بدنتائج سے جو لعنتی ہونا اور نبوت سے محروم ہونا اور رفع سے بے نصیب ہونا ہے، اور اس جگہ توفی لفظ میں بھی مصلوبیت سے بچانے کے لئے اشارہ ہے۔ کیونکہ توفی کے معنی پر غالب یہی بات ہے کہ موت طبعی سے وفات دیجائے، یعنی ایسی موت سے جو محض بیماری کی وجہ سے ہو نہ کہ کسی ضربہ سقطہ سے، اسی وجہ سے مفسرین کی صاحب کشاف وغیرہا نی متوفیک کی یہ تفسیر لکھتے ہیں: "انی ممیتك حتف انفك" ہاں یہ اشارہ آیت کے تیسرے فقرہ میں ہے کہ: مطهرك من الذين كفروا" جیسا کہ تیسرے مرتبہ میں بیان کیا گیا ہے ایسا ہی ترتیب مرتبی کے لحاظ سے بھی تیسرے نمبر پر ہے۔ کیونکہ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا موت طبعی کے بعد نبیوں اور مقدسوں کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رفع ہو گیا تو بلاشبہ وہ کفار کے منصوبوں الزامات سے بچائے گئے۔ اور چوتھا فقرہ وجاعل الذین

---

1 براہین احمدیہ ہر چہار حصص، روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 64،56،66

اتبعوك کے لحاظ سے چوتھی جگہ قرآن کریم میں واقع ہے، ایسا ہی طبعا بھی چوتھی جگہ واقع ہے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کا غلبہ ان سب امور کے بعد ہوا ہے۔ سو یہ چار فقرے آیت موصوفہ بالا میں ترتیب طبعی کے لحاظ سے واقعہ ہیں۔ اور یہی قرآن کریم کی شان بلاغت سے مناسب حال ہے۔[1]

مزید آگے چل کر لکھا ہے کہ قرائن قویہ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مسیح جسم کے ساتھ آسمان پر ہر گز نہیں گیا اور نہ آسمان کا لفظ اس آیت میں موجود ہے بلکہ لفظ ہے یاعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی، دوسری جگہ ہے: بل رفعہ اللہ الیہ جس کے معنی یہ ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے مسیح کو موت دے کر پھر اپنی طرف اٹھالیا جیسا کہ عام محاورہ ہے کہ نیک بندوں کی نسبت جب وہ مر جاتے ہیں یہی کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا۔

نیز خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھائے جانے کے یہی معنی ہے کہ فوت ہو جانا، خدائے تعالیٰ کا یہ کہنا ہے اور یہ کہنا کہ ارجعی الی ربک اور یہ کہنا کہ انی متوفیك ورافعك الی ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ سوا اس کے کہ جس وضاحت اور تفصیل اور توضیح کیساتھ قرآن میں مسیح کے فوت ہونے کا ذکر ہے اس سے بڑھ کر متصور نہیں، کیونکہ خداوند عزوجل عام وخاص دونوں طور پر مسیح کا فوت ہو جانا بیان فرمایا ہے۔

قادیانی ترجمہ وتفسیر:

اس آیت میں دونوں جملوں کا جواب ہے اور خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ نہ تو عیسیٰ کی ناجائز ولادت ہے اور نہ ہی وہ صلیب پر مرا، بلکہ دھوکے سے سمجھ لیا گیا کہ مر گیا ہے اس لیے وہ مقبول ہے۔ اور اس کا اور نبیوں کی طرح خدا کی طرف رفع ہو گیا۔ اب کہاں ہیں وہ مولوی جو آسمان پر عیسیٰ کا جسم پہنچاتے ہیں؟ یہاں تو سب جھگڑا ان کی روح کے متعلق تھا، جسم سے اس کو کچھ علاقہ نہیں تھا۔

وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم اس سے ہر گز یہ مراد نہیں کہ مسیح فوت نہیں ہوا، کیا مرنے کے لئے یہی ایک راہ ہے کہ انسان کا قتل کیا جائے یا صلیب پر کھینچا جائے؟ بلکہ اس نفی سے مدعا اور مطلب یہ ہے کہ تورات استثنا باب 21 آیت 23 میں لکھا ہے کہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے اور یہود جنہوں نے اپنے زعم میں اس کو پھانسی دے دی تھی وہ بہ تمسک اس آیت کے یہ خیال رکھتے تھے کہ مسیح ابن مریم نہ نبی تھا اور نہ ہی مقبول الٰہی۔ کیوں کہ وہ پھانسی دیا گیا اور توریت بیان کر رہی ہے کہ جو شخص پھانسی دیا جائے وہ لعنتی ہوتا ہے۔ سو خدا تعالیٰ کو منظور تھا اسے حقیقت ظاہر کر کے ان کے اس قول کو رد کرے، تو اس نے فرمایا کہ مسیح بن مریم در حقیقت مصلوب نہیں ہوا اور نہ مقتول ہوا بلکہ اپنی موت سے فوت ہوا۔[2]

---

[1] تفسیر مسیح ماعود صفحہ نمبر نمبر 78،79

[2] تفسیر مسیح موعود صفحہ 352-353

اب قرآن شریف اس آیت کے بعد فرماتا ہے کہ: درحقیقت یہودیوں نے مسیح ابن مریم کو قتل نہیں کیا اور نہ پھانسی دیا بلکہ یہ خیال ان کے دلوں میں شبہ کے طور پر یقینی نہیں اور خدائے تعالیٰ نے ان کو آپ ہی شبہ میں ڈال دیا تھا تا ان کی بے وقوفی ان پر اور نیز اپنی قادریت ان پر ظاہر کرے، اور پھر فرمایا: جو لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں کہ شاید مسیح پھانسی ہی مل گیا ہو ان کے پاس کوئی یقینی اور قطعی دلیل اس بات پر نہیں، صرف ایک ظن کی پیروی کر رہے ہیں اور وہ خوب جانتے ہیں کہ انہیں یقینی طور پر اس بات کا علم نہیں کہ مسیح پھانسی دیا گیا بلکہ یقین ہو گیا، اور اپنی طبعی موت سے مرا، اور خدائے تعالیٰ نے اس کو راستباز بندوں کی طرح اپنی طرف اٹھالیا، اور خدا عزیز ہے ان کو عزت دیتا ہے، جو اس کے ہو رہتے ہیں، اور حکیم ہے اپنی حکمتوں سے ان؛لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے جو اس پر توکل کرتے ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو ہمارے اس بیان مذکورہ بالا پر جو ہم نے اہل کتاب کا خیالات کی نسبت ظاہر کیا ہے ایمان نہ رکھتا ہو۔ اس کے جو وہ اس حقیقت پر ایمان لاویں۔ جو مسیح اپنی موت سے مر گیا یعنی ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ کوئی اہل کتاب اس بات پر یقین نہیں رکھتا کہ درحقیقت مسیح مصلوب ہو گیا ہے، کیا عیسائی اور کیا یہودی صرف ظن اور شبہ کے طور پر ان کے مصلوب ہونے کا خیال رکھتے ہیں۔ یہ ہمارا بیان صحیح ہے، کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا اس کی موت کے بارے میں ان خبر نہیں کہ وہ کب مر؟ سو اس کی ہم خبر دیتے ہیں کہ وہ مر گیا اور اس کی روح عزت کے ساتھ ہماری طرف اٹھائی گئی۔

تفسیر مسیح موعود:

اور بیشک وہ البتہ قیامت کی نشانی ہے۔

قادیانیوں کے نزدیک وہ مسلمہ مفسرین جن کی تفاسیر کا مرزا نے خود اقرار کیا ہے اس آیت کے بارے وہ کیا کہتے ہیں؟ علامہ جلال الدین سیوطی، امام فریابیؒ، طبرانی وغیرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: انہوں نے حضرت عباس کی ئی تفسیر نقل کی ہے: اللہ کے فرمان ”**وانہ لعلم للساعۃ**“ سے مراد عیسیٰ علیہ االسلام کا قیامت سے پہلے آنا ہے۔ 1

تفسیر مسیح موعود:

مذکورہ بالا آیت کے ضمن میں مرزا صاحب اپنی تفسیر تفسیر مسیح موعود میں لکھتے ہیں: اور ساتھ ہی سوال ہوتا ہے قرآن شریف کی آیت مندرجہ ذیل مسیح بن مریم کی زندگی پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ ہے: وان من اہل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ مسیح کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب اس پر ایمان لے آئیں گے اس آیت کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور ہے کہ مسیح اس وقت تک جیتا رہے جب تک کہ تمام اہل کتاب اس پر ایمان لے آئیں۔

---

[1] مسند امام احمد: حدیث 2769

اب اس کا جواب مرزا کی طرف سے "پس واضح ہو کہ سائل کو یہ دھوکہ لگا ہے کہ اس نے اپنے دل میں یہ خیال کر لیا کہ آیت فرقانی کا یہ منشا کہ مسیح کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب کے فرقوں کا اس پر ایمان لانا ضروری ہے، کیونکہ اگر فرض کے طور پر تسلیم کر لیں کہ آیت موصوفہ بالا کے یہی معنی ہیں جیسا کہ سائل سمجھا ہے، تو اس سے لازم آتا ہے کہ زمانہ صعود مسیح سے اس زمانے تک کی مسیح نازل ہو جس قدر اہل کتاب دنیا میں گزرے ہیں یا اب موجود ہیں یا آئندہ ہوں گے، وہ سب مسیح پر ایمان لانے والے ہوں گے۔ حالانکہ یہ خیال بداہت باطل ہے، ہر ایک شخص خوب جانتا ہے کہ بے شمار اہل کتاب مسیح کی نبوت سے کافر رہ کر اب تک واصل جہنم ہو چکے ہیں اور خدا جانے آئندہ بھی کس قدر کفران کی وجہ سے اس آتشی تنور میں پڑے رہیں گے۔ اگر خدائے تعالی کا یہ منشا ہوتا کہ وہ تمام اہل کتاب فوت شدہ مسیح کے نازل ہونے کے وقت اس پر ایمان لائیں گے تو وہ ان سب کو اس وقت تک زندہ رکھتا، جب تک کہ مسیح آسمان سے نازل ہوتا، لیکن اب مرنے کے بعد ان کا ایمان لانا کیوں کر ممکن ہے؟

بعض لوگ نہایت تکلف اختیار کر کے جواب دیتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مسیح کے نزول کے وقت خدائے تعالی ان سب اہل کتاب کو پھر زندہ کرے جو مسیح کے وقت بعثت سے مسیح کے دوبارہ نزول تک کفر کی حالت میں مر گئے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یوں تو کوئی کام خدائے تعالیٰ سے غیر ممکن نہیں لیکن زیر بحث تو یہ امر ہے کہ قرآن کریم اور احادیث میں اس کا کہیں نشان نہیں پایا جاتا، اگر پایا جاتا ہے تو کیوں پیش نہیں کیا جاتا؟

بعض لوگ کچھ شرمندہ سے ہو کر دبی زبان سے یہ تاویل پیش کرتے ہیں: کہ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسیح کے دوبارہ آنے کے وقت دنیا میں موجود ہوں گے اور وہ سب مسیح کو دیکھتے ہی ایمان لے آئیں گے، اور قبل اس کے کہ جو مسیح فوت ہو وہ سب مومنوں کی فوج میں داخل ہو جائیں گے۔ لیکن یہ خیال بھی ایسا باطل ہے کہ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ اول تو آیت موصوفہ بالا صاف طور پر فائدہ تعمیم کا دے رہی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے لفظ سے تمام وہ اہل کتاب مراد ہے جو مسیح کے وقت میں یا مسیح کے بعد برابر ہوتے رہیں گے۔ اور آیت میں ایک بھی ایسا لفظ نہیں جو آیت کو کسی خاص محدود زمانہ سے متعلق اور وابستہ کرتا ہوں، علاوہ اس کے یہ معنی بھی پیش کیے گئے ہیں بداہے فاسد ہیں۔ کیونکہ احادیث بآواز بلند بتا رہی ہیں ہیں کہ مسیح کے دم سے اس کے منکر خواہ اہل کتاب ہیں یا غیر اہل کتاب، کفر کی حالت میں مریں گے اور کچھ ضروری نہیں کہ ہم بار بار ان حدیثوں کو نقل کریں۔ اسی رسالہ میں اپنے موقع پر دیکھ لینا چاہیے، ماسوائے اس کے کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ مسلم ہے کہ دجال بھی اہل کتاب میں سے ہو گا، اور یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ مسیح پر ایمان نہیں لائے گا، اب میں اندازہ نہیں کر سکتا کہ اس خیال کے پیرو ان حدیثوں کو پڑھ کر کس قدر شرمندہ ہوں گے۔ اور مسلم میں موجود ہے کہ مسیح کے بعد شریر رہ جائیں گے۔ ان پر قیامت آئے گی اگر کوئی کافر نہیں رہے گا تو وہ کہاں سے آجائے گی۔

وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن بہ پیشگوئی کی صورت پر نہیں جیسا کہ ہمارے بھائی مولوی صاحبان جو بڑے علم کا دم مارتے خیال کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ تو اس وقت اس کا بیان ہے جو آنحضرت ﷺ کے وقت میں موجود تھا یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے خیالات کی جو اس وقت حالت تھی خدائے تعالیٰ اتمام للحجۃ انہیں سنا رہا ہے، اور ان کے دلوں کی حقیقت ان پر ظاہر کر رہا ہے، اور ان کو ملزم کر کے ان کو سمجھا رہا ہے کہ اگر ہمارا یہ بیان صحیح نہیں ہے تو مقابل پر آکر صاف طور پر دعوہ کرو کہ یہ خبر غلط بتائی گئی ہے، اور ہم لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا نہیں ہے بلکہ یقینی طور پر سمجھ بیٹھے ہیں کہ سچ مچ مسیح مصلوب ہو گیا ہے۔[1]

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ آخر آیت میں جو لفظ واقعہ ہے کہ قبل موته اس کلام سے اللہ جل شانہٗ کا یہ مطلب ہے کہ کوئی شخص مسیح کی عدم مصلوبیت سے یہ نتیجہ نہ نکال لیوے کہ کیونکہ مسیح صلیب کے ذریعہ سے مارا نہیں گیا اس لئے وہ مرا بھی نہیں۔ سو بیان فرمادیا کہ یہ تمام حالت قبل از موت طبعی ہے، اس سے اس موت کی نفی نہ نکال لینا، جو بعد اس کے طبعی طور پر مسیح کو پیش آگئی۔ گویا اس آیت میں فرماتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ ہمارے اس بیان پر بھی اتفاق ایمان رکھتے ہیں کہ مسیح یقینی طور پر صلیب کی موت نہیں مرا، صرف شکوک و شبہات ہیں۔ سو قبل اس کے جو لوگ مسیح کی طبعی موت پر ایمان لاویں جو در حقیقت واقع ہو گئی ہے، اس موت کے مقدمے پر انہیں ایمان ہے، کیونکہ جب مسیح صلیب کی موت سے نہیں مرا جس سے یہود اور نصاریٰ اپنے اپنے اغراض کی وجہ سے خاص نتیجہ نکالنا چاہتے تھے تو پھر اس کی طبعی موت پر بھی ایمان لانا ان کے لیے ضروری ہے۔ کیونکہ پیدائش کے لیے موت لازمی ہے، سو قبل موته تفسیر یہ ہے کہ قبل ایمانه بموته[2]

باب سوئم: حیات عیسیٰ علیہ السلام اور تفسیر مسیح مدعود کا تقابلی جائزہ:

فصل اول: تقابلی جائزہ:

حیات عیسی علیہ السلام کے بارے میں سب سے پہلا عقیدہ نبی آخر الزماں ﷺ کا ہے۔ جن پر احادیث سے متواتر دلالت کرتی ہیں۔ موجودہ دور کے مفسرین کا یہی عقیدہ رہا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام اسلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں آپ کے بعد کوئی شخص ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو نہیں جھٹلا سکتے۔ اور صحابہ کرامؓ کا بھی یہی عقیدہ چلا آرہا ہے۔ تیرہ صدیوں کے مفسرین اور مجددین کا بھی یہی نقطہ نظر چلا آرہا ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر زندہ تشریف لے گے قرب قیامت ان کا نزول ہو گا۔ آج تیرہ سو سال کے بعد ایک شخص یہ کہہ رہا کہ حضرت عیسیٰ زندہ نہیں گے بلکہ انکی وفات ہو گی اور ان کا نزول اب نہیں ہو گا۔ تو فیصلہ قارئین پر چھوڑا جاتا ہے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بہت سارے عقیدے رکھتے ہیں۔ جن میں سے بعض بالکل درست ہیں اور بعض بالکل غلط ہیں۔ مثلاً:

---

1 تفسیر مسیح موعود صفحہ نمبر 435-436

2 تفسیر مسیح موعود ص436

حضرت عیسیٰ کے بارے میں ان کی بغیر باپ کے پیدا ہونا۔ اس میں اسلام اور عیسائیت کا اتفاق ہے۔ پھر یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔ اس میں بھی اتفاق ہے۔ مگر یہ کہ وہ ابن اللہ ہیں۔ اور وہ تین میں سے تیسرے ہیں۔ یہ غلط ہیں۔

عالم اسلام کے جمہور علماء کا روز اول سے یہ مسلک رہا ہے اور الحمد للہ آج بھی وہ اس پر قائم ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی اور رسول ہیں جو بنی اسرائیل کی اصلاح وہدایت کے لیے مبعوث کئے گئے۔ ان کی پیدائش بھی معجزہ کے طور پر ہوئی، اور وہ جسم اور روح کے ساتھ آسمان پر زندہ اٹھالیے گئے اور قرب قیامت کی علامت کبریٰ کے طور پر دوبارہ آسمان سے زمین پر اتریں گے، یہ بات نفس الامر کے طور پر دلیل قطعی ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات قرآن مجید سے ثابت ہے اور اس کی توضیح تائید میں احادیث متواترہ کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔

حضرت عیسی علیہ السلام کے حوالے سے قرآن مجید میں فرمایا گیا:

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللهِ آمَنَّا بِاللهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ o رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ o وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ إِذْ قَالَ اللهُ يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ۔[1]

جب عیسیٰ نے بنی اسرائیل کا کفر معلوم کیا تو کہا کہ اللہ کی راہ میں میرا کون مددگار ہے؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے دین کی مدد کرنے والے ہیں، ہم اللہ پر یقین لائے، اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہونے والے ہیں۔ اے رب ہمارے! ہم اُس چیز پر ایمان لائے جو تو نے نازل کی اور ہم رسول کے تابعدار ہوئے سو تو ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔ اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر فرمائی، اور اللہ بہترین خفیہ تدبیر کرنے والوں میں سے ہے۔ جس وقت اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! بے شک میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تمہیں کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور جو لوگ تیرے تابعدار ہوں گے انہیں ان لوگوں پر قیامت کے دن تک غالب رکھنے والا ہوں، جو تیرے منکر ہیں پھر تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہو گا پھر میں تم میں فیصلہ کروں گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔

مسلمانوں کا عقیدہ:

مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ کو یہود نہ قتل کر سکے اور نہ صلیب دے سکے۔ بلکہ اللہ تعالی نے ان کو آسمان پر اٹھالیا اور اب وہ قرب قیامت واپس زمین پر تشریف لائیں گئے۔ ہمارا عقیدہ قرآن، حدیث، اجماع اور تواتر سے ثابت ہے۔

---

[1] آل عمران، 3:52 تا 55

قادیانیوں کا عقیدہ:

قادیانیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہود نے سیدنا عیسیٰ کو صلیب پر چڑھایا اور وہ گھنٹوں تک وہ صلیب پر رہے۔ لیکن وہ صلیب پر چڑھنے کی وجہ سے قتل نہیں ہوسکے بلکہ زخمی ہوگے۔ دو گھنٹوں بعد آپ کو صلیب سے زخمی حالت میں اتارا گیا پھر آپ کو ایک غار میں لے جایا گیا۔ وہاں آپ کی مرہم پٹی کی گئی۔ پھر آپ صحت یاب ہوگئے اس کے بعد سیدنا عیسی کی والدہ حضرت مریم کو ساتھ لے کر فلسطین سے افغانستان کے راستے سے کشمیر چلے گئے۔ کشمیر میں ۸۷ برس زندہ رہے تھے سیدنا عیسی کی وفات ہوئی۔ اور کشمیر کے محلہ خان یار میں ان کی قبر ہے۔ قادیانیوں کا عقیدہ نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ احادیث سے ثابت ہے بلکہ مرزا صاحب نے اس عقیدے کو فرضی کہانیوں سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے

مرزا صاحب نے کہا ہے:

حیات عیسی کا عقیدہ رکھنا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ سیدنا عثمان پر زندہ موجود ہیں اور قرب قیامت واپس زمین پر تشریف لائیں گے شرکیہ عقیدہ ہے۔ [1]

حالانکہ خود مرزا صاحب کو ۵۲ سال تک یہی عقیدہ رہا۔ [2]

نتائج:

جب عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو ایک منصف اور عادل حکمران کی صورت میں اتریں گے اور دنیا کو خوش حالی اور امن سے بھر دیں گے۔ جبکہ یہ دنیا فتنے اور فساد اور ظلم اور طغیانی سے بھری ہوگی۔ آج میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے علاوہ دیگر اہل فکر و نظر وہ یہودی ہوں یا لبرل لوگ ہوں، یا مغربی تہذیب کے دلدادہ۔ وہ اس مسئلے کو اس لئے قبول نہیں کرتے کہ وہ مسلمان امت کے خیر نہیں چاہتے۔ یہی اصل فلسفہ ہے۔ اس مسئلے پر اس لئے زور دیتے ہیں کہ اس کے مسلمانوں میں عام ہونے سے مایوسی اور بشریت سے یہ جو ایک ناامیدی ہے اس دنیا میں کیونکہ ظالم اور اہل طاقت اور قوت انہوں نے کمزروں کو بالکل یرغمال بنا رکھا ہے اور دنیا ان کی فتنوں کی آماجگاہ بن چکی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلم امت کی سیاسی خدمت اور ان کے اندر کا سکون ان عقائد کے اندر اللہ نے رکھا ہے جو اسلام کے ہیں اور جو حق ہیں اور ان میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع و نزول کا عقیدہ ہے۔

---

[1] روحانی خزائن، ج ۲۲، ص ۶۶۰

[2] حقیقۃ الوحی، ص ۱۴۸

مصادر و مراجع:

۱۔ الشوکانی، محمد بن علی، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، ۱/ ۱۵۳، مطبعۃ السعادۃ القاھرہ، الطبعۃ الاولی، ۱۳۴۸ھ

۲۔ آل عمران آیت 55

۳۔ از مرزا بشیر احمد، سیرت المہدی، ج ا، ص 34

۴۔ تفسیر مسیح موعود علیہ السلام صفحہ 76،75۔

۵۔ تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ 13، 14، 15

(ختم شد)

القدس کے مغربی حصہ میں ہولوکاسٹ میوزیم کا دورہ کرنے کے بعد انتہائی شقی القلب شخص ہی اپنے آنسو روک پاتا ہے۔ چند برس قبل جب میں نے اس میوزیم کا دورہ کیا، تو استقبالیہ کاونٹر کے پاس کانوں میں لگانے والی کمنٹری مشینیں فراہم کروانے کے بعد ہماری بھارتی نژاد اسرائیلی گائڈ نے اندر راہ نمائی کرنے سے معذوری ظاہر کی اور مشورہ دیا کہ اس میوزم کو انفرادی طور پر، آزاد ذہن کے ساتھ، بغیر نگرانی یا راہ نمائی کے دیکھنا مناسب ہے۔ میں نے دیکھا کہ دیگر سیاحوں کو بھی گائڈ اس میوزیم میں گھومنے کے لیے اکیلے چھوڑ دیتے ہیں۔ مدہم روشنیوں کے درمیان ایک عجیب و غریب سوگوار فضا عالمی جنگ عظیم، دوم اور یورپ کے شہروں کی نہ صرف عکاسی کرتی ہے، بلکہ لگتا ہے کہ زمان و مکان کو پیچھے دھکیل کر اسی دور میں پہنچ گئے ہیں۔ آپ ہال میں جس تصویر یا کسی شئے کے سامنے کھڑے ہیں اس کا اور ہال کا نمبر کمنٹری مشین میں دبائیں، تو مطلوب زبان میں کمنٹری رواں ہو جاتی ہے اور لگتا ہے، جیسے یہ تصویر زندہ ہو گئی ہو۔ کریک ڈاؤن، سرچ آپریشنز، ہاتھ سروں پر رکھے قطار در قطار مارچ کرتے ہوئے خواتین و مرد، ریل کی پٹریوں کی گھڑ گھڑاہٹ، آہ و بکا کا ایک شور، پلیٹ فارم پر گوشت پوست سے عاری انسانوں پر جرمن اہلکاروں کے برستے کوڑے، عورتوں اور بچوں کی کسمپرسی اور پھر ان کو ہانک کر گیس چیمبر کی طرف لے جانا، غرض انسان کے وحشی پن اور انسانیت کی تذلیل کے ان واقعات کا مشاہدہ کرتے ہوئے دم بخود ہونا لازمی ہے۔ ایک سحر سا طاری ہو جاتا ہے۔

اس طرح کے حالات سے نبرد آزما ہونے کے بعد مغربی ممالک، خصوصاً یہودیوں کو انسانی حقوق اور انسانیت کی تئیں زیادہ حساس ہونا چاہیے تھا، مگر افسوس عذاب الٰہی کے بعد اسی روایتی بد عہدی اور ریشہ دوانیوں کا اعادہ کرتے ہوئے یہودی یا بنی اسرائیل کی قوم نے جنگ عظیم ختم ہوتے ہی نہ صرف فلسطینیوں کے حقوق پر شب خون مار کر ان پر ظلم و ستم کا بازار گرم کیا ہوا ہے، بلکہ دیگر ممالک میں اپنے ذرائع اور وسائل کا استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں کو برانگیختہ کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے ہیں۔ ظلم تو یورپ کے عیسائیوں نے کیا، مگر بدلہ ابھی تک مسلمانوں سے لیا جا رہا ہے۔

---

[1] محترم افتخار گیلانی۔ مضمون بحوالہ: الفاروق ربیع الاول 1440ھ

اسی کی ایک کڑی کے طور پر حال ہی میں ہالینڈ کے پارلیمنٹیرین گیرٹ وائلڈر نے گستاخانہ خاکوں کے مقابلوں کا اعلان کیا تھا۔ وائلڈر نے اپنے تحریری پیغام میں کہا کہ اس نے قتل کی دھمکیوں اور مسلمانوں کے ممکنہ رد عمل کے پیش نظر مقابلہ منسوخ کرنے کا فیصلہ کیا ہے، وہ نہیں چاہتے کہ دنیا بھر میں اس معاملے پر افراتفری پھیلے۔ واضح رہے دنیا بھر کے مسلمانوں میں اس حوالے سے تشویش پائی جاتی تھی اور سخت احتجاج کیا جارہا تھا۔

یہ سب کچھ آزادئ اظہار کے نام پر کیا جاتا ہے۔ بھارت میں بھی کئی افراد آزادی اظہار رائے کی آڑ میں پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے اہل بیت کے خلاف گستاخانہ الفاظ کا استعمال کر کے مسلمانوں کو زبردستی اشتعال دلانے کا کام کرتے ہیں۔ حال ہی میں حکمران بھارتیہ جنتا پارٹی کی انفارمیشن ٹیکنالوجی سیل سے مستعفی چند رضاکاروں نے آن ریکارڈ بتایا کہ ان کو مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرنے کی تربیت دی جاتی تھی۔ بدقسمتی سے ہندو انتہا پسندوں کی ایما پر قائم ایک اور سیل کے انچارج پاکستان کے ایک موقر چینل کے بھارت میں نمائندے اور پریس کلب آف انڈیا کے سابق سیکریٹری جنرل اور سافما کے فعال رکن پشپندر کلوستے ہیں، جو محمد رضوان کے نام سے آئے دن ویڈیو بنا کر پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں۔ چوں کہ موصوف علی گڑھ کے فارغ التحصیل ہیں، نیز پاکستانی چینل کے نمائندے اور سافما کے رکن کی حیثیت سے پاکستان آنا جانا رہتا ہے، اس لیے اسلام سے متعلق واجبی سی اور مسلمانوں کے بارے میں سیر حاصل معلومات رکھتے ہیں، جب ان کی اس روش کے خلاف کوئی آواز اٹھاتا ہے تو ہمدردی بٹورنے کے لیے اظہار آزادی رائے کو آڑ بنا کر مسلمانوں کے رویہ کو نشانہ بناتے ہیں۔ وہ ناموس رسالت کے حق میں مسلمانوں کے رد عمل کو جمہوریت کے لیے خطرناک بتاتے ہیں۔ مگر یہی نام نہاد دانش ور ادیب، مصنفین اور ٹی وی اینکر اپنے ملک کے اندر ہی اظہار رائے کی آزادی کا گلا گھونٹے جانے کے متعدد واقعات پر چپ سادھ لیتے ہیں، گویا انہیں سانپ سونگھ جاتا ہے۔ ابھی جس طرح پورے ہندوستان میں انسانی حقوق کے کارکنوں کے گھروں پر چھاپے مار کر ان کو حراست میں لیا گیا، اس کو یہ حق بجانب ٹھہرا رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ ملکی سلامتی کا معاملہ ہے، کیوں کہ یہ افراد دلتوں، قبائلیوں اور مسلمانوں کے خلاف ہو رہے مظالم کے خلاف آواز بلند کرتے تھے۔ چار سال قبل فلم ساز نتیشا جین، صحافی پرینکا بوربپور جاری اور ستین باردولائی کو جب چھتیس گڑھ کے دانتے واڑہ میں گرفتار کیا گیا تو کسی کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ قبائلیوں پر ہونے والے مظالم اور نکسلی اور نکسل مخالف کارروائیوں کا جائزہ لینے گئے تھے۔

اظہار رائے کی آزادی کے یہ "مجاہد" اس وقت بھی خاموش رہے جب 2010ء میں امریکی مصنف اور دانش ور پروفیسر Shapiro Richard کو حکومت بھارت نے کوئی وجہ بتائے بغیر ویزا دینے سے انکار کر دیا۔ 2010ء میں ہی جب مشہور براڈکاسٹر Barasmian David اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے سلسلے میں بھارت پہنچے تو حکومت نے انہیں اندرا گاندھی انٹرنیشنل ہوائی اڈے سے ہی بریگ واپس لوٹا دیا۔ کشمیر جانے کے لیے تو بھارتی وزارت خارجہ نے غیر ملکی نامہ نگاروں کے داخلہ پر ہی پابندی عائد کی ہے۔ حقوق انسانی کے مشہور کارکن گوتم نولکھا، کے گھر پر

ریڈ کر کے ان کو حراست میں لیا گیا، اس سے قبل وہ 2011ء میں بھی عتاب کا نشانہ بنے تھے۔ 2015ء میں بھارت میں ایک اور ادیب ناول نگار پرومل مورو گن کے ناول کے انگریزی ترجمے پر اس وجہ سے پابندی لگادی گئی کہ اس میں مورو گن نے ہندو مذہب کی قدیم رسم "نیوگ" کے بارے میں لکھاہے۔ ناول نگار نے اس رسم پر نکتہ چینی کی ہے۔ نیوگ رسم کے مطابق کوئی بے اولاد عورت بچہ پیدا کرنے کے لیے کسی غیر مرد یا پنڈت سے جنسی تعلقات قائم کرتی تھی اور اس رسم کو سماجی قدیم بھارت میں قبولیت حاصل تھی۔ مورو گن نے اس ناول میں ذات پر مبنی طبقاتی کشمکش اور ظلم اور معاشرے کی برائیوں پر نکتہ چینی کی ہے، جس سے ایک خاندان بکھر جاتا ہے اور ان کی ازدواجی زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔ ان پر اتنی نکتہ چینی ہوئی اور ہوا اس قدر برہم ہوئی کہ انہوں نے نہ صرف آئندہ قلم نہ اٹھانے کی قسم لی، بلکہ ناول کے ناشرین کو اس کی تمام کتابیں جلانے کی استدعا کی۔ یہ تو صرف چند واقعات ہیں، جن کا ذکر بر سبیل تذکرہ آگیا ہے، ورنہ ایسے واقعات کی گنتی مشکل ہے۔

اظہار رائے کی آزادی کا سب سے بڑا علم بردار یورپ بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں ہے۔ اس کی سب سے واضح مثال ہولوکاسٹ ہے۔ یہودیوں کے خلاف کوئی بات لکھنا یا ان کی مخالفت کرنا یا ہولوکاسٹ کو مفروضہ قرار دینا انتہائی سنگین جرم سمجھا جاتا ہے۔ یورپی یونین نے تو اپنے رکن ملکوں کے لیے باضابطہ ایک ہدایت نامہ جاری کیا ہے کہ ہولوکاسٹ کو غلط قرار دینے والے ادیبوں یا مصنفین کو سخت سے سخت سزا دی جائے، جس میں ایک سے تین سال قید بامشقت کی سزا بھی شامل ہے۔ 2003ء میں اس حکم نامے میں ایک اضافی پروٹوکول شامل کیا گیا، جس میں ہولوکاسٹ کے خلاف انٹرنیٹ پر بھی کچھ لکھنا قابل گردن زدنی جرم قرار پایا ہے۔ جن ملکوں میں ہولوکاسٹ کے خلاف کچھ بھی لکھنا انتہائی سنگین جرم سمجھا جاتا ہے ان میں آسٹریا، ہنگری، رومانیہ اور جرمنی شامل ہیں۔ حالاں کہ المیہ یہ ہے کہ یہی ممالک یہودیوں کے خلاف کارروائیوں میں آگے آگے رہے تھے۔

1998ء سے لے کر 2015ء سترہ برسوں میں تقریباً اٹھارہ ادیبوں اور مصنفین کو اظہار ائے کی آزادی کے علم برداروں کے عتاب کا شکار ہونا پڑا ہے۔ اس کی ایک فہرست یہاں دی جارہی ہے۔

← فروری 1998ء رجر گراوڈی فرانس دولاکھ 40ہزار فرانک جرمانہ۔

← جولائی 1998ء گیرہارڈ فوسٹر سوئٹزرلینڈ بارہ ماہ قید۔

← مئی 1999ء جین پلانٹین فرانس چھ ماہ قید جرمانہ۔

← اپریل 2000ء گیسٹن ارمانڈ سوئٹزرلینڈ ایک سال قید۔

← فروری 2006ء، ڈیوڈ ارونگ آسٹریا ایک سال قید۔

← مارچ 2006ء جرمار روڈولف جرمنی ڈھائی سال قید۔

← اکتوبر 2006ء رابرٹ فاریسن فرانس 7500 یورو جرمانہ، تین ماہ نظر بند۔

← فروری 2007ء ارنسٹ زیونڈل جرمنی پانچ سال قید۔

← جنوری 2008ء سلویا اسٹالس جرمنی ساڑھے تین سال قید۔

← مارچ 2009ء ہوسٹ مہلر جرمنی پانچ سال قید۔

← اکتوبر 2009ء ڈیرک زمرمین جرمنی نوماہ قید۔

← اکتوبر 2009ء رچرڈ ولیمسن جرمنی بارہ ہزار یورو جرمانہ۔

← جنوری 2013ء جیورگے ناگے ہنگری 18 ماہ قید۔

← فروری 2015ء وینسنٹ رینورڈ فرانس دوسال قید۔

← نومبر 2015ء ارسولا ہیزبیک جرمنی دس ماہ قید۔

آزادی اظہار کے حق کے تعلق سے زیادہ دیر تک تعصب اور منافرت اور دوہرے معیار کی عینک نہیں لگائی جاسکتی۔ سب سے اول میڈیا کی آزادی کے حدود کا تعین کرنا لازمی امر ہے۔ صحافت کو محض اسلام کی تضحیک سے یا مسلم مخالف جنون کو مزید ہوا دینے کے لیے استعمال نہیں کیا سکتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عالمی سطح پر بقائے باہم، کشادہ ذہنی اور مذہبی رواداری اور ایک دوسرے کے تئیں احترام کے جذبہ کو فروغ دیا جائے۔
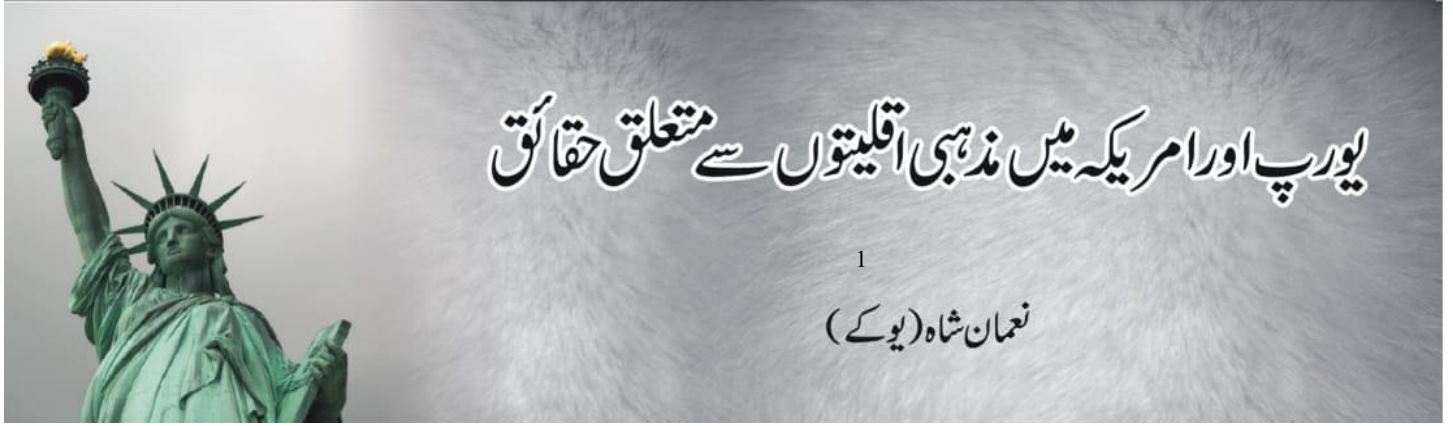
مذہبی اقلیتوں کے آئینی و قانونی حقوق کے حوالہ سے پاکستان دنیا میں بلامقابلہ نمبرون ہے

۱- پاکستان کے آئین میں تمام شہریوں کو مساوی حقوق دیے گئے ہیں جبکہ غیر مسلم اقلیتوں کو سینیٹ (4) پارلیمنٹ (10) اور صوبائی اسمبلیوں (24) میں خصوصی کوٹے کی سیٹوں کے علاوہ سول سروس میں بھی پانچ فیصد کوٹہ دیا گیا ہے یعنی مسلمان شہری کی نسبت اضافی حقوق اور سہولت دی گئی ہے۔

۲- پاکستان کے آئین و قانون میں مذہبی اقلیتوں کو نہ صرف دہرے حقوق حاصل ہیں بلکہ ایسی کوئی قید یا رکاوٹ بھی نہیں کہ وہ صرف کوٹے کی بنیادوں پر اسمبلیوں میں جاسکتے ہیں یا نوکری حاصل کرسکتے ہیں۔ رمیش کمہار صاحب نے 2002 میں آزاد امیدوار کے طور پر سندھ اسمبلی کا الیکشن لڑا مگر وہ صرف 34 ووٹ لے سکے اور الیکشن ہار گئے پھر وہ مسلم لیگ ق کی طرف سے اقلیتی کوٹے کی سیٹ پر سندھ اسمبلی میں پہنچ گئے۔ پچھلی حکومت اور اس حکومت میں وہ مذہبی اقلیتوں کی سیٹ سے بغیر الیکشن لڑے اور جیتے پارلیمنٹ میں موجود ہیں۔ کیا ایسی سہولت کسی مسلمان پاکستانی شہری کو بھی حاصل ہے؟

۳- یورپ و آمریکہ میں تمام شہریوں کو صرف اور صرف مساوی حقوق حاصل ہیں کسی مذہبی اقلیت کو کوئی قانونی و آئینی سہولت اور حقوق حاصل نہیں۔ ہر مسلمان کو پارلیمنٹ میں ووٹوں سے جیت کر پہنچنا ہے۔ سول سروس میں بھی مسلمانوں کو دوسرے Candidates سے مقابلہ کی بنیاد پر نوکری ملتی ہے۔

۴- یورپ و آمریکہ میں مذہبی آزادی سے مراد محض یہ ہے کہ ہر شہری اپنے مذہبی عقیدہ میں آزاد ہے وہ چاہے مسلمان ہو یا کرسچن، ریاست اس کو کوئی مذہب چھوڑنے یا تبدیل کرنے کا نہیں کہہ سکتی۔ یورپی یونین کا انسانی حقوق کا آرٹیکل 9 اور اقوام متحدہ کا ہیومن رائٹس کا آرٹیکل 18 ہر شہری کو کوئی بھی مذہبی عقیدہ رکھنے کا تحفظ دیتا ہے مگر اس کے عقائد و نظریات کی حدود ہر ملک کے آئین و قانون کی پابند ہیں۔

---

1 نعمان شاہ یوکے۔ سوشل ایکٹیوسٹ

۵-یورپ و آمریکہ میں مسجد، مندر، گردوارا بنانا مذہبی آزادی کے کھاتے میں ڈالنا انتہائی احمقانہ بات ہے کیونکہ وہاں ہر شہری کے قانونی حقوق ہیومن رائٹس کی بنیادوں پر ہیں نہ کہ کسی کو قانون میں کوئی مذہبی حقوق حاصل ہیں۔

۶-یورپ و آمریکہ میں مسجد، مندر یا گردوارے قانونی اعتبار سے کوئی مذہبی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ان کو محظ ایک عام بلڈنگ کی حیثیت حاصل ہے جو ریاست کے قوانین کے عین مطابق استعمال کی جاتی ہے۔

۷-یورپ و آمریکہ میں مساجد کے مینار بنانا اور لاؤڈ اسپیکر میں اذان دینے پر پابندی ہے کیونکہ مسلمانوں کے لئے مسجد عبادت گاہ ہے مگر وہاں کے قوانین میں اس کو عبادتگاہ کی حیثیت حاصل نہیں اور وہاں کے آئین و قانون میں مذہبی بنیادوں پر نہ کوئی حقوق دیے گئے ہیں اور نہ سہولیات۔

۸-یورپ و آمریکہ میں چونکہ مذہب کو ریاستی معاملات سے قانونی طور پر نکال دیا گیا ہے اس لئے وہاں مسجد یا مندر ریاست کے مخالف نظریات نہیں جبکہ پاکستان ایک مذہبی ریاست ہے جس کا نظریہ اسلام ہے لہذا پاکستان میں چرچ، مندر اور گردوارا ریاست مخالف نظریات میں آئیں گے اور ریاست اسلامی قوانین میں موجود پابندیاں لگانے کی مجاز ہے جیسے یورپ و آمریکہ میں اذان، مینار، حجاب، قربانی وغیرہ پر پابندیاں ہیں۔

۹-یورپ و آمریکہ میں اگر کوئی چرچ کسی مسلمان کو نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہے تو اس کو مذہبی آزادی کی دلیل بنانا بھی احمقانہ بات ہوگی۔ چرچ ایک پرائیویٹ بلڈنگ ہے جس کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں وہاں کا پادری اگر نماز کی اجازت دے تو یہ وہاں کے دو شہریوں کے ذاتی جذبہ مذہبی ہم آہنگی کے طور پر دیکھا جائے گا۔ اگر کوئی پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں کو ریاست کی طرف سے مزید غیر شرعی سہولیات دینے کے اقدامات کی حمایت کرتے ہوئے یورپ میں چرچ میں نماز پڑھنے کی اجازت کو دلیل بناتا ہے تو یہ دلیل قابل قبول نہیں ہوگی۔ پاکستان کے ریاستی اقدامات، قوانین اور حقوق کے مقابلہ میں اس کو بھی یورپ و آمریکہ میں ریاستی طور پر مسلمانوں کے حق میں بنائے گئے قوانین اور لئے گئے اقدامات دکھانے ہونگے۔

چند قابل غور نکات:

۱-یورپ و آمریکہ میں ایک داڑھی والا مسلمان یا حجاب والی خاتون کسی بڑے عہدے پر نہیں پہنچ سکتے۔ یہ جتنے کامیاب لوگ آپ کو نظر آتے ہیں وہ پاکستانیوں کے مقابلہ میں معاشی طور پر ضرور کامیاب ہونگے مگر کیا وہ یورپ و آمریکہ میں دوسرے غیر مسلم شہریوں کے مقابلہ میں اتنے ہی کامیاب ہیں؟

۲-یورپ و آمریکہ میں پانچ وقت نماز پڑھنے والا بھی کسی بڑے عہدے پر نہیں پہنچ سکتا کیونکہ وہ ٹیم میں فٹ نہیں سمجھا جاتا-

۳-یورپ و آمریکہ میں وہی لوگ کامیاب ہیں جو وہاں کے قوانین اور کلچر کے مطابق رہتے ہیں اپنے مذہبی، نسلی اور لسانی حقوق نہیں مانگتے۔

۴-ہمارا دعوہ ہے کہ اقلیتوں کو قانونی حقوق جو پاکستان نے دیے ہیں ان کے مذہب کی بنیاد پر وہ کسی اور ملک نے نہیں دیے۔

۵-یورپ و آمریکہ میں مذہبی، لسانی اور نسلی نفرتیں انتہا کی ہیں۔ انگلینڈ میں کوئی جرمن بڑے عہدے پر نہیں ملے گا۔ فرانس میں کوئی برٹش نہیں ملے گا۔ اٹلی میں کوئی فرینچ نہیں ملے گا۔ یہ انسانی فطرت ہے نہ کہ نفرت، اس کو قوانین بنا کر کم کیا جاسکتا ہے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام نے پہلے ہی ان معاملات کو بہترین طور پر شریعت میں بیان کر دیا ہے۔ یورپ و آمریکہ میں ہر کوئی اپنے ہم مذہب، ہم نسل، ہم کلچر اور ہم زبان کو ترجیح دیتا ہے۔

۶-پاکستان میں قوانین کے اعتبار سے مذہبی اقلیتوں کو دہرے حقوق حاصل ہیں۔ پولیس اور عدالتی نظام کی کرپشن کو دلیل بنا کر اقلیتوں کے ساتھ زیادتی کا دعوہ کرنا پاکستان کے آئین کے ساتھ زیادتی ہے۔ کرپشن کے متائثرین تمام پاکستانی ہیں چاہے وہ کسی مذہب کے بھی ہیں۔

۷-یورپ و آمریکہ میں مذہبی کوٹے کی اس لئے ضرورت نہیں کیونکہ کسی مذہب کی کوئی اہمیت نہیں۔ جس نے وہاں رہنا ہے اور ترقی کرنی ہے وہ وہاں کے قوانین اور کلچر کے مطابق رہے جبکہ پاکستان کا قانون ہر مذہبی اقلیت کو تحفظ کے ساتھ ساتھ اس کے مذہب کی نمائندگی دیتا ہے یعنی مذہبی بنیادوں پر اقلیتوں کے نمائندے اپنی مذہبی کمیونٹی کے لئے عملی اقدامات کر سکتے ہیں.

قادیانی حضرات اقلیتوں کے نام پر جو پراپگنڈہ کرتے ہیں ان کو چاہیئے پہلے یورپ اور آمریکہ میں اپنے مذہب کی بنیاد پر کوئی حقوق حاصل کر لیں جیسے پاکستان میں اقلیتوں کو حاصل ہیں پھر وہ اعتراض کریں۔

: یہ تحریر مثبت نکتہ نظر سے حقائق کو سامنے لانے کیلئے لکھی گئی ہے۔ پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کو شہریت اور اسلام کے تحت جو دہرے آئینی حقوق حاصل ہیں ان پر تنقید نہیں کی گئی بلکہ مقصود یہ ہے کہ ہمارے حکمران اور مذہبی و سیاسی نمائندے دنیا کے سامنے پاکستان کا مقدمہ ان حقائق کی روشنی میں مظبوط بنیادوں پر پیش کریں- پاکستان سے اقلیتوں کیلئے Do More کا مطالبہ کرنے والوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسلمانوں کیلئے یورپ و آمریکہ میں آئینی و قانونی حقوق کا جوابی مطالبہ کیا جائے۔

رئیس المحدثین امام محمد بن طاہر پٹنی:

ولادت:

رئیس المحدثین امام محمد بن طاہر پٹنی علیہ الرحمہ کا شمار ہندوستان کے ممتاز محدثین میں ہوتا ہے، آپ شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے ہم عصر تھے۔ آپ سنہ ۹۱۳ھ کو گجرات کی قدیم دارالسلطنت پٹن میں پیدا ہوئے۔ آپ کے نسب کے تعلق سے دو قول پائے جاتے ہیں، بعض محققین کے مطابق آپ عربی نژاد صدیقی تھے یعنی امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل سے تھے۔ جبکہ کچھ محققین کا ماننا ہے کہ محدث پٹنی ہندی الاصل بوہرہ قوم سے تھے۔ بوہرہ قوم کے دو مشہور فرقے تھے، چھوٹی جماعت شیعہ اور بڑی جماعت سنی تھی۔ محدث پٹنی کا تعلق بڑی جماعت (سنی / اہلسنت و جماعت) سے تھا۔

تحصیل علم:

آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد دوسرے علوم کی طرف متوجہ ہوئے، پٹن بادشاہوں کا دار السلطنت ہونے کے ساتھ علماء وفضلاء کا مرکز بھی تھا۔ چنانچہ آپ نے وہیں پر مولانا شیخ ناگوری، شیخ برہان الدین، شیخ ید اللہ اور ملا مٹھ سے معقولات و منقولات کی تکمیل کی۔ نہروالہ پٹن میں درسیات کی تکمیل کے بعد آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے، وہاں آپ نے حجاز مقدس کے نامور فقہاء و محدثین شیخ ابو الحسن محمد بن عبد الرحمن بکری، علامہ احمد بن محمد بن علی حجر مکّی، شیخ علی بن محمد محدث عراقی، شیخ جار اللہ مکّی شافعی سے درس حدیث حاصل کیا۔ اور شیخ علی متقی کے دست مبارک پر بیعت ہونے کے بعد اپنے وطن واپس آگئے۔

تدریس و تبلیغ: ہندوستان تشریف لانے کے بعد آپ نے اپنی قوم میں رائج بدعات و خرافات کا خاتمہ کرکے اہلسنت و بدعتیوں کا فرق اپنی قوم کو سمجھایا۔ اپنے وطن میں ہی آپ نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا، جس میں آپ خود درس حدیث دیتے تھے، حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ

---

[1] محمد سلیم انصاری ادروی۔ بی اے: محقق تاریخ الاسلام۔ بھارت

کے دور میں جب گجرات میں نیا مدرسہ قائم ہوا تو یہ مدرسہ اسی میں ضم کر دیا گیا۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ چند کے نام درج ذیل ہیں:

- ✓ شیخ ضیاء الدین بن شیخ محمد غوث گوالیاری،
- ✓ شیخ داؤد بن شیخ حسن،
- ✓ شیخ محمد شطاری،
- ✓ شیخ جیون سورتی،
- ✓ شیخ عبد الہادی احمد آبادی،
- ✓ شیخ فرید کاسب پٹنی،
- ✓ شیخ عبد النبی،
- ✓ شیخ حسین سورتی۔

علم حدیث:

علم حدیث میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا، اپنے زمانے میں آپ گجرات کے محدثین پر فوقیت رکھتے تھے۔ فن حدیث میں آپ نے بے نظیر کمال حاصل کیا اور اپنی پوری زندگی خدمت حدیث میں وقف کر دی، فن حدیث کے ساتھ آپ کو علم لغت وعربی ادب میں بھی مہارت حاصل تھی، آپ نے حدیث کے مشکل الفاظ و لغات کا ایک جامع لغت (مجمع بحار الانوار) مرتب کیا، جو شرح حدیث میں کافی مشہور ہے، آپ کی دوسری مشہور کتاب المغنی ہے جو اسماء الرجال کے تعلق سے ہے۔ اس کے علاوہ بخاری، مسلم و مشکوۃ شریف پر آپ نے حاشیہ لکھا جس سے ہند و بیرون ہند کے اہل علم آج بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

تصنیف و تالیف:

محدث پٹنی فطری مصنف تھے، آپ نے درس و تدریس کے علاوہ حدیث، رجال، لغت، معقولات، معانی، فقہ، اصول فقہ، صرف، سیرت، عقائد، اصول، تفسیر اور تصوف کے تعلق سے تقریباً تیس کے آس پاس کتابیں قلم بند کیں، جن میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں۔

- ← حاشیہ صحیح بخاری،
- ← حاشیہ صحیح مسلم،
- ← حاشیہ مشکوۃ المصابیح،

← چہل حدیث،

← سوانح نبوی،

← شرح عقیدہ،

← طبقات حنفیہ،

← رسالہ فضیلت صحابہ،

← رسالہ نہروالہ،

← خلاصتہ الفوائد،

← حاشیہ توضیح و تلویح،

← توسل،

← مقاصد جامع الاصول،

← تذکرۃ الموضوعات،

← کفایتہ المفرطین،

← مجمع بحار الانوار،

← منہاج السالکین،

← نساب البیان،

← قانون الموضوعات، المغنی۔

فرقہ مہدوی کارد:

مہدوی فرقے کا بانی سید محمد بن سید محمد عبد اللہ (م ۹۱۰ھ / ۱۵۰۵ء) ۸۴۷ھ / ۱۴۴۳ء کو جونپور میں پیدا ہوا، جس نے سنہ ۸۸۷ھ کو حج کے ارادے سے حجاز مقدس کا سفر کیا، اور درمیان سفر ہند و بیرون ہند کے شہروں میں قیام کر کے مہدویت کی دعوت دی، سید محمد کے انتقال کے بعد اس کا بڑا بیٹا میران سید محمود جانشین ہوا اور اس فرقے نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اپنی جگہ بنالی، گجرات بھی اس فرقے کے متشدد حامیوں کا مرکز تھا، محدث پٹنی نے حجاز مقدس کی واپسی کے بعد درس و تدریس، تصنیف و تالیف کے ساتھ اس فرقے کی تردید و اس کے ماننے والوں کی اصلاح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ محدث پٹنی نے عہد کیا تھا کہ جب تک اپنی قوم سے بدعت و ضلالت دور نہ کرلوں گا تب تک اپنے

سر پر عمامہ نہ باندھوں گا، جب سنہ ۹۸۰ھ میں شہنشاہ جلال الدین اکبر نے گجرات کی سرزمیں پر قیام کیا، اور علمائے کرام کی شاہی تقریب میں محدث پٹنی کو بغیر عمامہ کا دیکھا تو اکبر نے عمامہ نہ باندھنے کی وجہ آپ سے جاننے کے بعد خود کے ہاتھوں سے آپ کے سر پر عمامہ باندھ دیا۔ اور فرمایا "دین متین کی نصرت ہمارے ذمہ ہے، تمہیں ازالہ بدعت کی کوشش کرنی چاہیئے۔" اکبر کا رضاعی بھائی خان اعظم مرزا عزیز جب تک گجرات کا حاکم رہا اپنے عہد میں محدث پٹنی کی مدد کرتا رہا۔

وصال:

اکبر کا رضاعی بھائی جب اپنے عہدے سے معزول ہو گیا تو عبد الرحیم خانخاناں گجرات کا والی ہوا جو شیعہ تھا، اس بات کو جان کر محدث پٹنی بہت مایوس ہوئے اور اپنے سر سے عمامہ کو جدا کر کے شہنشاہ کے حضور میں عرض حال کی غرض سے آگرہ روانہ ہوئے، بوہروں کا ایک گروہ ان کے پیچھے چل دیا، جب آپ اُجّین اور سارنگ پور کے درمیان پہنچے تو بوہروں نے موقع پا کر آپ کو شہید کر دیا۔ یہ واقعہ سنہ ۹۸۶ھ / ۱۵۷۸ء میں پیش آیا، محدث پٹنی کے ہمراہیوں نے آپ کے جسم کو پٹن لا کر آپ کے بزرگوں کے پاس دفن کر دیا۔

مصادر و مراجع:

محدثین عظام کی حیات و خدمات / ص:۶۱۷-۶۲۰،

تذکرہ علمائے ہند / ص:۳۷۶-۳۷۸،

تذکرۃ المحدثین / ص:۳۸۴-۳۹۰

انسان کی ذات ایسی ہے کہ جب کوئی بات اس ذہن و دماغ پر چھا جاتی ہے تو بار بار اور بہانے بہانے سے اسی کا تذکرہ کرتا ہے ایسے ہی مجھے کچھ دنوں سے آپ کی بہت بہت بہت یاد آ رہی ہے... میں آپ کے گھر آنا چاہتی ہوں... زیارت کرنا چاہتی ہوں. ویسے تو میں یہاں بھی آپ سے مخاطب ہو سکتی ہوں. لیکن آپ کے گھر آ کر آپ کے گھر کا دروازہ پکڑ کر آپ سے مخاطب ہونا چاہتی ہوں... کئی کئی بار تو یہ تڑپ بام عروج کو پہنچ جاتی ہے. اور کئی بار یہ کم ہوتے ہوتے ماند پڑ جاتی ہے آپ جانتے ہی ہو. اور کچھ دنوں سے یہ بام عروج پر ہی ہے.

ابھی فجر بعد تلاوت کے لیے قرآن ہاتھ میں لیا تو میں اللہ سے مخاطب ہوئی,

" اے اللہ جل جلالہ پوری دنیا کے لوگوں کی باتیں سننے والے ان کا ہر دکھ درد جاننے والے میری بھی باتیں سن لے میرے دل کو سکون اور اطمینان عطا کر دے. اپنی محبت سے سرشار کر دے. میں آپ کے گھر کی پہنچنا چاہتی ہوں. اپنے ماتھے کو ٹیک کر اس مقدس سر زمین پر آپ کے آگے سجدہ ریز ہونا چاہتی ہوں. آپ کے گھر کے اندر نماز پڑھنا چاہتی ہوں. باہر تو سب ہی پڑھتے ہیں۔ میں بہت گنہگار ہوں. سر سے لے کر پاؤں تک گناہوں میں جکڑی ہوئی ہوں. لیکن ہوں تو آپ ہی کی بندی. مجھے یقین کامل ہے کہ میں آپ کی بہت لاڈلی ہوں. اسی لیئے تو آپ میری دعاؤں کو قبول کرتے ہیں رد نہیں کرتے.

مولیٰ آپ کا بے حساب شکر ہے. آپ میری دعاؤں کو مختلف شکلوں میں قبول کرتے ہیں. اور کبھی تو فوراً ہی اسی شکل میں قبول کر کے مجھے حیران کر دیتے ہیں. اور میرا دل آپ کی محبت سے بھر جاتا ہے... الحمد اللہ الحمد اللہ ثم الحمد اللہ....

بس اللہ آپ میرے دل کی ہر بات جانتے ہیں جو دوسرا کوئی نہیں جانتا. آپ تو وہ باتیں بھی جانتے ہے جو میں خود بھی نہیں جانتی. اے سب کچھ جاننے والے 'یاعالم الغیب یاارحم الراحمین آپ کے ہی نام سے آغاز کرتی ہوں.. اور اختتام بھی آپ ہی کہ نام سے ہے. میں قرآن کھول رہی ہوں اللہ. مجھے بتا دے کہ مجھے آپ کے گھر آنا ہے. اور میں آؤں گی ناں ؟؟؟؟؟؟ قبر میں نہیں... ابھی حرم میں آنا ہے.... انشاءاللہ......."

اور میں نے بسم اللہ کہہ کر قرآن کھول لیا.. میرے سامنے سورہ حج کی آیت نمبر 28 کا کچھ حصہ اور آیت نمبر 29 آ گئی.

اللہ 'اللہ' اتنا پر یقین تعین.......

"........پس تم آپ بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ. پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں. اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں."

یہ آیات حج کے لئے ہیں. قدیم گھر.. اللہ کا گھر... بیت العتیق.. بیت اللہ...

اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر... اللہ تعالی آپ کی شان اور کبریائی کے کیا کہنے. مجھے جب بھی کسی بات کا جواب چاہیے آپ قرآن سے دے دیتے ہیں. آپ نے میرے تڑپتے دل پر مرہم رکھ دیا. بے حد و حساب شکر... اب مکمل سکون بھی دے دیں باری تعالی. قلب سلیم عطا کر دے. سکینت اتار دے. آمین یارب العالمین۔

Inayat-ul-Haq*

Muhammad Zulqarnain**

Abstract

In this paper, effectiveness of Activity Based Teaching (ABT) for compulsory subject of Islamiyat has been investigated. The research was triggered by observing unsatisfactory learning outcomes of traditional teaching methods being used to teach the compulsory subject of Islamiyat at elementary level. According to nature of study the experimental research method was applied to evaluate the effectiveness of Activity Based Teaching. The researcher designed a role play activity for the students of elementary level, which was carried out in a school, monitored by Government of Punjab. The activity was based upon two steps (pre-test and post-test). The results obtained from the pre and post-test established that ABT was enormously effective as it remarkably improved the students' knowledge, concepts, skills and expertise as well as developed the learning attitude, interest and confidence. The research therefore recommends that ABT should be applied to teach Islamiyat at elementary school level in order to gain conceptual clarity, accomplish Islamic goals and for the development of Islamic values. Using ABT will provide an opportunity to students in attaining sound knowledge, conceptual clarity, self-belief, and provoking interest in their religion.

Key Words: activity-based teaching, Islamiyat, elementary level, education.

* Teacher Trainer, Islamic Research & Resource Centre (IRRC), Wah Cantt, Pakistan, ajbi.bintaj@gmail.com, Cell: +92 0300 560 23 62

** Lecturer, Department of Islamic Studies, National University of Modern Languages (NUML), H-9, Islamabad, Pakistan, zulqarnain4386@gmail.com, Cell: +92 307 43 86 143

Acknowledgement: We would also like to show our gratitude to the Prof. Dr. Tufail Hashimi, Department of Islamic Studies, HITEC University Taxila Cantt, for giving the idea of this topic and sharing his pearls of wisdom during the course of this research.

Introduction

In Oxford Dictionaries Language matters, Activity is defined as "*A thing that a person or group does*". In an educational context the term 'activity' refers to the *"work that involves direct experience by the student rather than textbook study"*. Suydam, Marilyn and Higgins (1977) define ABT as"it is the learning process in which students are involved in doing or seeing something done".According to them ABT frequently involves the use of manipulative materials. [1]

Harfield, Davies, and Panko Kenly (2007), comment upon the significance of ABT that in this method "students actively participate in the learning experience rather than passive learners". [2] They said by quoting Prince (2004) that ABT is different from traditional method of teaching in two ways: First is active role of students and second is collective collaboration among them. [3] Van der Molen, J. H. W., & Peijs, J. S. (2009) quoted the famous saying of Confucius that "Tell me, and I will forget, show me, and I may remember, involve me, and I will understand". [4] Hence ABT in its nature is a child centered approach in which students participate both; mentally and physically. Learning by doing is the main objective of ABT which provides an opportunity to students in participating rigorously and bringing about efficient learning experience. They internalize and implement concepts compatible to their needs willingly and enthusiastically. It could be carefully said that in ABT, activities are generalized under three main categories: a) exploratory b) constructive and c) expressional. By using these approaches, teachers focus on experiencing, memorizing and understanding of learners. This process of organizing activities is based upon national, social, and cultural needs, students' interest, their mentality and skills.

Historically, the fundamental idea of ABT dates back to Rousseau as far as back to Plato. In modern education, Dewy, in 1897 used the term 'activity program' a form of 'activity base teaching'. Likewise the term "Active Learning" was introduced by an English Scholar R. W. Revans (1907-2003). In subcontinent ABT was started in 1944 around World War II, when a British man David Horsburgh came to India and decided to settle down here. He was an

1 Suydam, Marilyn N. Higins, Jon L (1977), Activity Based Learning in Elementary School Mathematics; Recommendations from Research. Information Reference Center (ERIC/IRC), The Ohio State University, 1200 Chambers Rd., 5rd floor, Columbus, Ohio 43212.

2 Panko, M., Kenly, R., Davies, K., Piggot-Irvine E., Allen, B., Hede, J. and Harfield, T. (2005). Learning styles of in the buildings and construction sector. Report of Building Research New Zealand, Inc. Unitec New Zealand, Auckland.

3 Prince, M. (2004). Does active learning work? A review of Research. Retrieved from http:/ctlt,jhsph.edu/resources/views/contents/files/150/Does Active Learning Work.pdf on 03 jan, 2012.

4 Wooten, D., Mack, K., & Azzam, A. (2010, June). TELL ME AND I WILL FORGET; SHOW ME AND I MAY REMEMBER; INVOLVE ME AND I WILL UNDERSTAND: TRACKING INQUIRY IN A PROBLEM-BASED LEARNING CURRICULUM. In JOURNAL OF GENERAL INTERNAL MEDICINE (Vol. 25, pp. 451-451). 233 SPRING ST, NEW YORK, NY 10013 USA: SPRINGER.
Chicago

innovative thinker and charismatic leader. He started teaching in 'Rishi Valley School' and also joined the British Council. After his retirement, he located a 7 acre site in district Kolar and started his schooling system Neel Bagh which was based on an innovative idea of student-centered approach. It was well renowned school for its creative teaching methods and well planned learning materials.

While looking upon the Islamic history one could easily find the roots of ABT in Islamic education system. A number of examples could be seen in the life of Holy Prophet Mohammad PBUH as he (PBUH) taught his companions by demonstrating and involving them practically in process of learning. For instance, A man came to `Umar bin Al-Khattab and said, "I became *Junubi* but no water was available." `Ammar bin Yasir said to `Umar, "Do you remember that you and I (became *Junubi* while both of us) were together on a journey and you didn't pray but I rolled myself on the ground and prayed? I informed the Prophet about it and he said, 'It would have been sufficient for you to do like this.' The Prophet then stroked lightly the earth with his hands and then blew off the dust and passed his hands over his face and hands." [1] This hadith and many others indicate the importance of ABT in inculcating the Islamic concepts and values in order to nurture the mind of students. Due to this importance of ABT as a modern teaching technique the researcher intended to explore the effectiveness of ABT in teaching the subject of Islamiyat up-to elementary level.

Objectives of the Research

This study is particularly designed:

1. To examine the effectiveness of ABT for compulsory subject of Islamiyat.
2. To evaluate the efficiency of traditional teaching methods being used for teaching Islamiyat.
3. To give some recommendation in the light of conclusion for the effective teaching of Islamiyat in order to accomplish the defined objectives.

Literature Review

It is concluded by many researchers that ABT is much effective to achieve educational goals as compare to other teaching techniques. According to NTL (National Training Laboratories) report, learning retention rates by lecture, reading, audio visual, demonstration, discussion in group, practice by doing, and teaching others are 5%, 10%, 20%, 30%, 50%, 75%, and 90% respectively. It clearly shows that 'teaching others' is the only tool which produces better results than

1 Sahih al-Bukhari, Book 7, Hadith :5, Hadith no: 338

that of 'practice by doing' (ABT). Souse (2001), Danielson (2002), Drews and Milligan (2003) all have commented on the Learning Pyramid and emphasized that the students learn best by practicing the knowledge. [1] As the better retention rates are at the bottom of Learning Pyramid which means that teacher has to equip with the knowledge and give opportunities to the students to learn knowledge with practice.

With the advent of the concept of discovery learning many scholars today widely adopt more supple student-centered method (ABT) to enhance active learning (Greitzer, 2002). [2] Most of the teachers today apply the ABT (student centered approach) to promote interest, analytical research, critical thinking and enjoyment among students (Hesson & Shad, 2007). [3] The approach (ABT) also motivates goal-oriented behavior among students, hence this method is very effective in improving students achievements (Slavin, 1996). [4] Passman (2000) applied the student-centered teaching approach (ABT) to teach social studies to 5th grade and found that it improves social skills and confidence in students. [5] Means and Olson (1995) used technology as a form of constructivist and found that the effect of technology in elementary school students enhanced their work interest, motivation and self-esteem, and changed the students and teachers' role. [6] Ogawa (2001) taught History of World War II to the students of middle standards and concluded that students learned about the war, analyzed the US textual passages of atomic bombing of Hiroshima and Nagasaki and the Japanese text books, interviewed veterans, conducted classroom observation and writing tasks, had discussion session and finally ABT improved their historical perspective talking skill. [7] Stout (2004) also used ABT method to teach the history of America to elementary level of students and concluded that students became able to work collaboratively to develop deep understanding of historical content and to negotiate difficult primary source text. [8]

---

1 International conference on Engaging Pedagogy 2012 (CEP 2012) Blanchardstown IT, Dublin, Ireland, December 14, 2012
2 Greitzer, F. A (2002), Cognitive approach to student-centered E-Learning, Human factors and society. Meeting Sep. 30-Oct. 04.
3 Hesson, M. & Shad, K.F.(2007), A student-centered learning Model . American journal of applied sciences, 628-636.
4 Salvin, R.E. (1996), Research for the future- Research on cooperative learning and achievement; what we know, what we need to know, contemporary Educational Psychology, 21(4):43-69.
5 Passman, R. (2000), Pressure cooker; Experience with the student-centered teaching and learning in high-stakes assessment environments. 9(ERIC Document Reproduction Service NO. ED440116)
6 Means, B., & Olson, K. (1995), technology's role within constructivist classrooms. ERIC Document Reproduction Service No. ED 383283.
7 Ogawa, M. (2001), Building multiple historical perspectives; an investigation of how middle school students are influenced by different perspectives. Doctoral dissertation abstracts international, 60, 02A, 0318.
8 Stout, M. J. (2004), Students as historical detectives; the effect of an inquiry teaching approach on middle school students' understanding of heroical ideas and concepts. Doctoral dissertation, University of Maryland College Park, 2004/ Dissertation Abstract International, 65, 11A, 4095.

Rowe (1996) found that student-centered approach (ABT) improves the students' attitude and learning behavior in elementary grade students. [1] The learning environment promoted the students' self-esteem while using ABT in schools (Wilkinson, Teagust, Leggett & Glasson, 1988). [2] The ABT fostered reading, writing, speaking and listening skills (Luke, 2004). [3] A close look at the main findings of the studies seems to reveal that with those studies involving the student-centered approach (ABT), students mainly showed changes in non-academic areas; behavior, attitude, interest and self-confidence (Feng & Wayne, 2007). [4] Hussain, et al. (2011) reached the conclusion that ABT is more effective than a traditional teaching method at elementary and secondary level. [5] Doucet et al. (1998) and Blake et al. (2000) also found that students who were taught through ABT performed significantly better in both basic and clinical sciences. [6] Gallagher et al. (1992) noted remarkable improvement in the results of activity based learned students than their counterparts and viewed that ABT is an effective method of developing "problem-solving process and skills". [7] Hung, Jonassen and Liu (2008) mentioned that ABT has "positive impact on students' abilities to apply basic science knowledge and transfer problem-solving skills in real-world professional or personal situations". [8] Choo (2007) noted the positive impact of ABT on the students as well as teachers in a vocational institution. [9]

All the above references clearly revealed the effectiveness of ABT in teaching almost all subjects including: history, social studies, science, geography etc. Unfortunately ABT is not being used to teach the Islamiyat at elementary level schools. Therefore the researcher stepped forward in order to assess the effectiveness and worthiness of ABT in teaching Islamiyat at elementary school level. For that, the researcher gave an opportunity to the students to perform activity and then collected results with the help of pre and post activity test.

---

1 Rowe, V. A. (1996), Transactional learning for learning-disabled (LD) adolescents; Facilitating Teacher change and curriculum development.(Doctoral dissertation, Fordham University, 1996). Dissertation Abstract intl. 57, 05A, 1952.

2 Wilkison, W. J., Treagust, D. F., Leggett, M,.& Glasson, P. (1988), The teaching learning in a student centered in physics classroom. (ERIC Document Reproduction Service No. ED292619).

3 C.L. (2004). Inquiry based learning in a University Spanish class; an evaluative case study of curricular implementation. (Doctoral dissertation, the university of Taxas at Austin, 2004). Dissertation Abstract Intl, 65, 03A, 817.

4 Feng S. Din., F. Wayne Wheatley, (2007), A literature Review of the student-centered Teaching Approach; National Implications, v.17, No. 03, 2007.

5 Hussain, S., Anwar, S. & Majoka, M.I. (2011). Effect of peer Group Activity-based learning on students' academic achievements in physics at secondary level. International Journal of Academic Research, 3(1), 940-944.

6 Doucet, M. D., Purdy, R,A., Kaufman, D. M., and Langille, D.B. (1998). Comparison of problem-based learning and lecture format in continuing medical education on headache diagnosis and management. Med. E duc., 32, 590-596.

7 Gallagher, S. A. and Stephien, W. J. (1996). Content aqusition in problem-based learning; depth verus breadth in American studies. J. E duc. Gifted, 19)3, 257-275.

8 Hung, W., Jonassen, D. H., L i u, R. (2008). Problem-based learning. In D.H. Jonassen (Ed).

9 Choo, C. B. (2007). Activity based approach to authentic learning in a vocational institute. Educational media international, V.44, Issue 3,2007

Research Methodology

The approach adopted in this research was experimental in nature. A wide range of previously published scholarly literature which included, research articles, theses, authentic books was thoroughly reviewed and relevant material was quoted into the paper. In addition to that secondary sources from internet and library were also consulted after their assurance and authenticity. By following the modern research techniques and to get more accurate results, the researcher designed a role play activity which was performed by the students. A pre and post test was taken to examine the effectiveness of ABT which led towards the conclusion of this research.

Title: Hajj (The pilgrimage)

Following points were considered the objectives of this activity;

- To teach students five pillars of Islam (particularly Hajj).
- To introduce students with Prophets of Islam and their sacrifices.
- To make the students aware with the cultural and artistic expression of Islam.
- To give the concept of unity and importance of equality in Islam.
- To clarify the concept of cleanliness in students.
- To teach them History of Islam.
- To develop social, political and moral Values of Islam.

Contents

- Basic teachings of Islam
- Cleanliness
- Philosophical and Historical back ground of Hajj

Type of Activity

- Role-play of Hajj (The pilgrimage)

Material

- Computer for video (a visual guide for Hajj, a 15 minute video tutorial)
- Books, charts, white sheets
- Safety pins
- Copies of the short scripts to place at each station
- Chairs, tables
- Black cloth
- Treats for the sacrifice

Time

- Two days, 60 minute/day

Day 1

Step 1: Pre Test

Before starting the activity, the researcher took a pre-test from students comprising of following questions;

1. Write the names of pillars of Islam?
2. Which is the month of pilgrimage?
3. Write the elements of pilgrimage?
4. Who should go to Makkah for pilgrimage?
5. How many times Muslims walk around the Ka'bah?
6. What do you know about Safa and Marwah?
7. How many times Muslims walk between Safa and Marwah?
8. Why do Muslims walk between Safa and Marwah?
9. Why do Muslims sacrifice on Eid-ul-Adha?
10. What does the Hajj (Pilgrimage) teach us?

Unfortunately, not a single student out of 14 students could answer the above mentioned questions appropriately.

Step 2: Preparation

The role play activity was comprised of various stages. On the first three stages researcher provided the primary direction to students. At the remaining stages, students read the short scripts describing where they were and what they had to do. The researcher and a helping teacher, along with the students participated in the various parts of Hajj to demonstrate the actions and voice of tone. They also showed the students a video (a visual guide to Hajj and Umrah) of 15 minutes, briefly discussed all of its stages and guided them by providing scripts. Students were told the importance of Hajj, Makkah, and Ka'bah along with brief history of Prophets and their sacrifices.

Day 2

Step 3: To Put On Ehram

When students arrived into the class room, they put on two sheets which Pilgrims used to wear on Pilgrimage commonly known as Ehram. During this activity, researcher discussed with students importance of equality and unity of Ummah in Islam. Students were told that why were they performing this tradition so respectfully. They were also told that women usually wear white dress by covering head but uncovering face.

Step 4: Wudu (Ablution)

A complete activity of ablution was conducted under the guidance and supervision of researcher. Ablution included following contents;

- Washing hands
- Rinsing mouth and nose
- Washing face
- Washing arms with elbows
- Wetting head with wet hands
- Washing feet, first right then left

Step 5: Tawaf E Ka'bah (Walking Around Ka'bah)

Researcher guided students in walking around the Ka'bah seven times (quickly and slowly). They were also told to proclaim the Talbiah when started tawaf around the Ka'bah.

Step 6: Saee (Walking Between Safa and Marwah)

Walking between the two hills SAFA and MARWAH was guided by the researcher.

Step 7: Stay at Mina

Students were guided to stay, sit, rest and talk with each other at Mina before the religious sermon and saying the afternoon prayers. By facing Ka'bah, they went through a series of prayers. They were also taught to stand for a minute imagining the hot sun.

Step 8: In Muzdalifah for Gathering Pebbles

Then students proceeded to Muzdalifah where they laid down to rest and then awaken to gather pebbles.

Step 9: Festival of Sacrifice

At the end of Pilgrimage, they celebrated Eid-ul-Azha, offered a sacrifice and quietly returned to the class room.

Step 10: The Ritual Stoning

They came back into Mina and went to three pillars where they threw pebbles at one of the pillars. The teacher also told them the details of this activity.

Step 11: Tawaf-e-Wida (Walking Around Ka'bah)

Now they returned to Ka'bah and walked around the Ka'bah seven times where they kissed and waved to black stone when passed by it.

Results and Discussions

The researcher designed a role play activity of pilgrimage to assess the usefulness of ABT and conventional teaching methods for Islamiyat. A pre-test was conducted before role play activity which demonstrated clearly that traditional teaching methods badly failed to clear the concept of Pilgrimage, its historical background, wearing Ehram, tawaf, Saee, purpose of sacrifice, and unity of Muslim Ummah. After conducting the pre-test, same concepts were taught with the help of ABT and a post test was taken by the students which showed excellent results. It was also observed that all the students participated enthusiastically and vigilantly into the activity. The results illustrated that students learned better by ABT than that of conventional teaching methods.

Conclusion

In the light of above findings, the research concluded that ABT is equally effective in teaching Islamiyat like other arts and science subjects. The pre-test and post test results clearly revealed that by using ABT method, students could have better understanding of concepts as compared to traditional teaching methods. Moreover, ABT is quite simple in its nature and useful to develop Islamic values in the students at elementary level. In this connection the research recommends that the competent authority and curriculum wing should take notice seriously and design the contents of compulsory subject Islamiyat in accordance with ABT method.

Summary

This study aimed to explore the effectiveness of ABT and traditional teaching methods for compulsory subject of Islamiyat. It has been established by the researcher that ABT is equally useful for the arts, humanities and social sciences. Many researchers used ABT for the teaching of history, psychology, sociology, economics, and environmental sciences and achieved better results. But unfortunately ABT is not still used for the teaching of compulsory subject of Islamiyat especially in government school. In this connection the researcher under the guidance of Dr. Tufail Hashmi stepped forward to examine the effectiveness of ABT in the subject of Islamiyat. for this purpose a role play activity was designed which was comprised of pre and post-test. On the completion of role play activity the study found that ABT was equally effective for teaching Islamiyat like other subjects. It produced extraordinary results and helped significantly in achieving the objectives of teaching Islamiyat. it is therefore recommended that government of Pakistan should take an immediate notice to revise the policy regarding teaching method for Islamiyat and should introduce ABT in the schools. Some implementable suggestions are given in recommendations portion.

Recommendations

In the light of above research some recommendations are given below which may be useful in eradicating the obstacles in the development of Islamic values at elementary level.

- Appropriate training of Islamic values is possible through ABT method in primary and elementary schools. Therefore, curriculum of Islamiyat at elementary level should be designed in keeping view ABT method.
- At least one period should be spared for Islamiyat on daily bases because the students are unaware even from the basic teachings of Islam. Moreover the traditional method of teaching Islamiyat should be replaced by the ABT.
- Not only parents but teachers are equally responsible for the Islamic and moral training of the students therefore they should play their role efficiently by teaching students in a practical way and by quoting example from daily life instead of giving them abstract ideas.
- It has been observed that the students and teachers usually depend upon the text book for teaching-learning process therefore text books should be designed in keeping view the ABT method.
- Teachers should be encouraged to adopt ABT method instead of traditional method of teaching and must have a sharp look upon the latest teaching methods. It would be helpful and interesting task to conduct activities on Islamic events by consulting Islamic calendar
- Teachers and parents should inculcate the importance of combine family system in the children because it is the main source of real and long lasting training of the children according to Islamic values.
- At the stage of elementary level, many physical, biological, emotional, and genetic changes occur in the students therefore it is very important to give them training according to Islamic teachings at this stage. For this purpose it would be useful to provide them an environment where they can learn and practice Islamic commandments.
- Drop out ratio of the students in the Government schools could be controlled by making the contents of different subjects interesting. For that purpose a reflection of ABT in all subjects particularly in Islamiyat would be helpful in achieving defined goals.

اپنا مضمون / مقالہ بھیجیں

علوم اسلامیہ و عصری تعلیم۔کالج،یونیورسٹی،اور فاضلین جامعات متوجہ ہوں

الاسلام ریئل کے آنے والے شمارے کے لیے اپنے مضامین/مقالہ جات/ریسرچ پیپر ارسال فرمائیں

ہمارا مقصد صرف اسلام کی طرف اٹھنے والے ہر فتنہ کا علمی جواب دینا ہے اور اس کے لیے ہم سب کو مل کر کام کرنا پڑے گا۔

موضوعات۔دفاع اسلام۔دفاع حدیث۔دفاع قرآن۔ختم نبوت و ناموس رسالت۔تقابل ادیان۔ رد الحاد۔رد فتنہ جدیدیہ۔اسلامی تاریخ۔اسلامی سائنس۔مغربیت اور عصر حاضر

آپ کے سابقہ مضامین HEC کے جرنلز یا کسی بھی رسالہ میں شائع ہو چکے ہیں اور علمی نوعیت کے ہیں تو براہ کرم آپ ہمیں ارسال کر سکتے ہیں۔

مضمون باحوالہ۔کمپوزڈ۔فرقہ واریت۔تعصب۔طنز و فریب۔سے پاک ہونا چاہیے۔

کسی بھی قسم کی علمی معاونت کے لیے "**الاسلام ریئل**" کی ٹیم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔